إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (الطور ۱۶) جزا نہیں دیے جاؤگے سوائے اس کے جو کچھ تم کرتے تھے (۱۶ : ۵۲)

عقیدہ نمبر ۳

ایصالِ ثواب

قرآن کی نظر میں

ایک مدلل اور ناقابلِ تردید

تحقیقی مقالہ

تالیف

محقق، نقاد، شیخ القرآن و امام الحدیث

جناب علامہ حافظ قاری

حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی مدظلہٗ

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ رجسٹرڈ

۳-۷-۱ے بلاک نمبر۱ - ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

فون 6601469

نام کتاب .... عقیدۂ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں

مؤلف .... علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلویؒ

صفحات ۲۴۸

تعداد کتب .... گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت .... پچاس ۵۰/ روپے

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی (۷۴۶۰۰)

فون: 6601449

فہرستِ مضامین

بسم اللہ اللہ کے نام سے

تعارف

اس بات کا تو سبھی کو علم ہے کہ بیشتر عجمی ممالک بالخصوص ہند و پاکستان بنگلہ دیش و ایران وغیرہ میں ایصال ثواب کی رسمیں بشکل قرآن خوانی، تیجہ، چہلم، برسی اور عرس وغیرہ عام ہیں اور جزو دین اور مرنے والوں کے لئے جنت کا ویزا تصور کی جاتی ہیں، لیکن اس حقیقت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہوں گے کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ اور اس سے متعلق تمام رسومات کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس عقیدے پر عمل کرنا فعل عبث ہے۔ اور اس عقیدے سے قرآن حکیم کا انکار لازم آتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ باطل عقیدہ ہندو، پارسی، عیسائی، یہود اور دیگر غیر مسلم اقوام کا زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے جس کو ہم عجمی مسلمانوں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی یا نو مسلم ہونے کی بنا پر مختصر تبدیلیوں کے ساتھ اپنا لیا یا اپنائے رکھا اور مسلمان ہو کر بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ آگے چل کر اس کو اتنی ترقی دے دی کہ ایصالِ ثواب کی رسمیں تقریب، دعوت اور جشن کا سماں پیش کرنے لگیں اور ان کو ثوابِ دارین حاصل کرنے کا ذریعہ بھی سمجھا جانے لگا۔

اگرچہ یہ ادارہ کافی دنوں سے اس اہم مسئلہ پر قلم اٹھانے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن اسے توفیق اس وقت میسر ہوئی جبکہ جید دیوبندی عالم دین مولوی سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ پنجاب سے اس مسئلہ کے مطابق دین ہونے کی بابت قرآن حکیم اور واضح و صحیح احادیث کے حوالے مرحمت فرمانے کی استدعا کی گئی اور موصوف نے مراسلات کے دوسرے ہی مرحلہ میں لاجواب ہو کر منکر حدیث ہونے کے فتوے صادر فرماتے ہوئے آئندہ کسی قسم کا جواب دینے سے انکار فرما دیا۔ اور مطمئن کئے بغیر خط و کتابت کا سلسلہ ختم کرنے کا اعلان فرما دیا۔ موصوف سے خاص طور پر استدعا اس لئے کی گئی تھی کہ انہوں نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "راہِ سنّت" میں بیان کردہ ہر مسئلہ کی

بابت صحت کا دعویٰ فرمایا تھا لیکن مسئلہ ایصالِ ثواب کا وہی جاہلانہ اور باطل عقیدہ اس میں بھی موجود تھا جو کہ عام طور پر مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ایصالِ ثواب کے مطابق دین ہونے کا چنانچہ اس خط و کتابت نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا اور قرآن و احادیث کی چھان بین کے بعد یہ کتاب وجود میں آگئی۔ جو کہ محقق، نقاد، مفسرِ قرآن و الحدیث علامہ حافظ قاری حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی کی جانفشانی اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ علامہ موصوف کی دیگر ناقابلِ تردید تحقیقی تصانیف "شب براءت کیا ہے" اور "عقیدہ مہدویت و ظہورِ مہدی" ادارہ پہلے ہی پیش کر چکا ہے جنہیں اہلِ علم حضرات نے بہت سراہا ہے۔ ہندوستان کے شہر علی گڑھ کے ایک دینی ادارے نے کتاب "شب براءت کیا ہے" کی تعریف کرتے ہوئے افادیت کے پیشِ نظر اس کے شائع کرنے اور بلا معاوضہ تقسیم کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ جس کو ادارے نے بخوشی منظور کر لیا۔ اگر دین سے دلچسپی رکھنے والے مخیر حضرات کا تعاون حاصل ہوتا رہا تو ان شاء اللہ دیگر اہم مسائل پر بھی اسی طرح تحقیقی مواد پیش کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔

اس کتاب میں ایصالِ ثواب کے عقیدے پر سیر حاصل بحث و تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلاتے ہوئے کہ یہ اقوامِ غیر کا ایک فاسد عقیدہ ہے، قرآنِ حکیم کی روشنی میں ناقابلِ تردید دلائل کے ذریعے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ثواب ناقابلِ انتقال شئے ہے۔ اور کسی حال مردہ یا زندہ کے نام منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ بموجب قرآن مجید ایک کا عمل دوسرے کے کام نہیں آ سکتا۔ بایں اعتبار ایصالِ ثواب کی تمام شکلوں کو جن کی صحت کے بدقسمتی سے ہم سب ہی قائل ہیں اور جن کی پشت پناہی عموماً چند غیر معتبر یا غیر متعلق احادیث کے ذریعے کی جاتی ہے اور ایصالِ ثواب کے طور طریقوں کو جائز اور مطابقِ دین ثابت کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ان کو اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ، خارج از دین اور اللہ تعالیٰ کے یہاں لائقِ بازپرس ثابت کیا گیا ہے۔ ادارے کو یقینِ کامل ہے کہ اگر اس کتاب کا مطالعہ خالی الذہن تقلیدِ بے جا اور رسم و رواج کی جکڑ بندیوں کے خوف سے آزاد ہو کر کھلے دل و دماغ سے کیا جائے گا اور صداقت پسندی اختیار کی جائے گی تو کوئی

وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ کتاب اثر پذیر ثابت نہ ہو اور آپ کو حقیقت کے قبول کرنے اور ایصالِ ثواب کی تمام فرضی و نمائشی رسموں سے کنارہ کشی پر آمادہ نہ کر سکے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالٰی کے مقابلہ میں بندوں کا خوف غالب نہ ہونے پائے۔ یہ تصنیف اپنے تئیں تمام قارئین، بالخصوص محترم علمائے دین سے دردمندانہ طور پر یہ مطالبہ بھی کرتی ہے کہ اگر پیش کردہ اصولی اور منطقی دلائل، قرآنی حوالہ جات وغیرہ کی عقلی، نقلی یا کسی اور ذرائع سے تردید یا تکذیب ممکن نظر آئے یا ایصالِ ثواب کے جائز اور مطابق دین ہونے کا کوئی اور دینی ثبوت موجود ہو جو مصنفِ کتاب کی نظر سے پوشیدہ رہ گیا ہو۔ اور اس سے استفادہ نہ کیا جا سکا ہو تو براہِ کرم اس سے ادارہ کو ضرور روشناس کرایا جائے تاکہ کتاب کی آئندہ اشاعت میں بشرطِ معقولیت، تصحیح کی جا سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ نفسِ مضمون سے اگر کسی کو اختلاف ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں۔ ادارہ ہر معقول اعتراض کو خندہ پیشانی سے قبول کرے گا۔ اور اس کے لئے مشکور ہوگا۔ لیکن اگر کوئی معقول اعتراض وارد نہ کیا جا سکا اور دانستہ طور پر خاموشی اختیار کی گئی تو پھر ادارہ یہ تصور کرنے میں خود کو حق بجانب تصور کرے گا کہ اس نے کتاب ہذا کے ذریعے جو کچھ مواد پیش کیا ہے اس سے بحمد اللہ قارئین متفق ہیں جو کہ ادارہ کے لئے مسرت کا باعث ہوگا۔ ادارہ کتاب ہذا پیش کر کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قرآنی حکم کی تعمیل کے ساتھ ربّ العزت کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہے کہ اپنے فضل سے ہم سبھی کو حصولِ دین کی جانب راغب فرمائے، دین کا صحیح علم مرحمت کرے، اپنی قدرت و حکمت سے ہمیں کھرے کھوٹے کی تمیز دے، غلطی تسلیم کرنے علاوہ ازیں حق کو قبول کرنے اور تمام خلافِ دین عقیدوں اور اعمالوں سے روگردانی کا حوصلہ عطا فرمائے۔ اور ادارہ کی اس کوشش کو بار آور فرمائے۔ آمین

معتمد عمومی

ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں

مسئلہ ایصالِ ثواب کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں۔ یہ تمام مسئلہ صرف اسی بنیاد پر موقوف ہے اگر یہ بنیاد درست ہے تو اس پر قائم شدہ عمارت بھی یقیناً درست ہے اور اگر یہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے، یا اس بنیاد میں کچھ کجی ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر تعمیر شدہ عمارت بھی غلط ہوگی۔ بلکہ ایسی عمارت ہمہ وقت خطرے کا سبب بنی رہے گی۔

ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ طبقہ جو ایصالِ ثواب کا قائل ہے۔ وہ سرے سے بنیاد ہی کو نظر انداز کئے ہوئے ہے۔ وہ یہ راگ تو ضرور الاپتا ہے کہ اس کی تعمیر میں فلاں فلاں بھٹی کی اینٹ استعمال کی گئی فلاں فلاں کاریگر نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اور اس عمارت کی حسن وخوبی اس سے ظاہر ہے کہ دنیا اسکے حسن وجمال ہی کی قائل ہے۔ لیکن یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ یہ تمام خوبیاں اس وقت لایعنی قرار پائیں گی جبکہ یہ عمارت بنیاد ہی سے ہٹی ہوئی ہو۔ اس کی خوبصورتی ایک فریب ہوگی اور ہمہ وقت یہ اندیشہ لاحق رہے گا کہ کہیں یہ ظاہری حسن وجمال ہزارہا افراد کی زندگیوں کے لئے جان لیوا ثابت نہ ہو۔ اور اتفاق سے صورتحال اسی قسم کی نازک شکل اختیار کر چکی ہے۔

ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں۔ تو بلحاظ عمل اس کے دو پہلو ہیں۔ کیوں کہ تمام انسانی اعمال دو قسم پر منقسم ہوتے ہیں جنھیں شریعت کی زبان میں اعمالِ خیر اور اعمالِ شر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی فعل دو حال سے خالی نہیں۔ فعل اچھا ہوگا یا برا، نیک ہوگا یا بد، قابلِ ستائش ہوگا۔ یا قابلِ مذمت، قابلِ اجر و ثواب ہوگا یا قابلِ سزا۔ انسان کا یہی عمل ہے جس پر وہ انعام کا مستحق ہوتا ہے یا عذاب الٰہی کا۔ شریعت اسلامیہ کا پورا دائرہ اسی کے اردگرد گھومتا ہے

ہر دو صورتوں میں اس پر بھی اتفاق کلی ہے کہ انسان کو اس کے عمل کی جزا ضرور ملے گی۔ اگر وہ عمل خیر ہے تو اچھی جزا۔ اور اگر عمل بد ہے تو بری جزا یہ ایک ایسا اصول ہے جس پر روزِ اول سے امت مسلمہ کا اجماع چلا آرہا ہے۔ لہٰذا اس اصول سے نہ ہمیں اختلاف ہے اور نہ ہم اس پر کوئی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

زیر بحث جزئیہ صرف اتنا ہے کہ کیا ایک کا عمل دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں عام طور پر تو تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ ایک انسان کا عمل دوسرے کے کام نہیں آسکتا۔ لیکن جب اس کی توضیح کی جاتی ہے تو ہمارے علماء کرام ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں

یہ جزئیہ پھر دو حصوں پر منقسم ہے۔ کیوں کہ انسانی عمل کی دو صورتیں ہیں۔ اچھا یا برا عمل خیر یا عمل شر۔ اس لحاظ سے یہ جزئیہ خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جسے قارئین کرام۔ (ا و ب۔ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ا۔ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ کسی کے عمل بد کا گناہ دوسرے پر قطعاً نہیں ڈالا جا سکتا۔ نہ شریعت کے دنیاوی قانون میں اور نہ عالم آخرت میں۔ یہ قانون زندہ اور مردہ دونوں کے لئے عام ہے یعنی جس طرح کسی زندہ انسان کا گناہ کسی دوسرے زندہ انسان پر نہیں ڈالا جا سکتا، اسی طرح کسی مردے کی سزا میں زندہ کو نہیں پکڑا جا سکتا اور نہ زندہ کے جرم کی سزا کسی مردے کو مل سکتی ہے۔ نہ عالم دنیا میں اور نہ عالم آخرت میں

تاوقتیکہ اس جرم میں زندہ یا مردے کے عمل کا کوئی دخل ہو۔

یہ ایک ایسا مسلّمہ اصول ہے کہ جس پر دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک تمام فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین اور پوری امتِ مسلمہ کا اجماع رہا ہے اور اس اجماع کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت نے اسے اتنی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اب اس میں کسی ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اگرچہ اس کی تائید میں حسبِ ذیل آیت کریمہ عام طور پر پیش کی جاتی ہے۔

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝
آیت ۳۸ سورۃ النجم

کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ ۵۳ : ۳۸

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور مقامات پر بھی مختلف الفاظ میں یہ اصول واضح فرمایا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۝
آیت ۱۱۱ سورۃ النساء

اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے۔
۴ : ۱۱۱

نیز ارشاد ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ
الانعام ۱۶۴

اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگا
۶ : ۱۶۴

مزید ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ لقمان ۳۳

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کرے
۳۱ : ۳۳

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ۔ فاطر ١٨

فاطر ١٨

اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا یعنی کوئی گنہگار کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلاویگا (تبھی) تب بھی اس میں سے کچھ نہ بٹایا جائیگا اگرچہ وہ شخص قرابت دار (کیوں نہ) ہو۔ ۳۵:۱۸

الغرض یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر آج تک تمام امت کا اتفاق رہا ہے۔ لہٰذا اس پر مزید بحث غیر ضروری ہے۔

(ب) جہاں تک دوسرے پہلو کا تعلق ہے یعنی ایک زندہ کا عمل غیر کسی مرنے والے کے کام آسکتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ یہ جزیہ پہلے جزیہ کی طرح اپنے اصل **اصول** کا ایک حصّہ ہے اور اصول وہی ہوتا ہے جو ہر جگہ کارفرما ہو اور اگر ایک جگہ کارفرما ہو اور دوسری جگہ کارفرما نہ ہو تو وہ اصول نہیں کہلاتا۔ بلکہ اسے بے اصولی پن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی بے اصولی پن کی وجہ جہاں کچھ روایات ہیں وہاں آباؤ اجداد اور بزرگوں کی اندھی تقلید بھی ہے۔ اسی لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جزیہ کی تشریح سے قبل ایک فقہی اصول کی وضاحت کردی جائے۔ کیوں کہ عام طور پر ہمارے علماء نے جو دھوکہ کھایا ہے وہ اسی فقہی اصول کو نظر انداز کر کے کھایا ہے۔

قرآن وسُنت کا تقابل

کتب اصولِ فقہ میں احناف کا یہ مسلّمہ فقہی اصول ہے کہ جب کوئی حدیث قرآن کے خلاف واقع ہو، یا اس کے عموم کو خاص، یا اس کے خصوص کو عام کرتی ہو تو اس حدیث کی یا تو تاویل کی جائے گی یا اسے رد کر دیا جائیگا۔ کیوں کہ احناف کے نزدیک یہ قرآن کی تنسیخ ہے اور ظنیات کے ذریعہ قطعی شئے کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ احادیث جتنی بھی ہیں وہ سب

ظنی ہیں یہ دوسری شئے ہے کہ کسی روایت میں ظن زیادہ اور کسی میں کم پایا جاتا ہو۔ اسی ظن کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ راوی کے لئے فقاہت کو شرط قرار دیتے ہیں کیوں کہ غیر فقیہ میں ظن زیادہ پایا جاتا ہے اور یہ اصول اسی وقت ہے جبکہ حدیث صحت سند کے ساتھ مروی ہو۔ اور اگر وہ ضعیف ہے تو وہ قابل اعتنا بھی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابو الحسن کرخی کا مسلک یہ بیان کیا جاتا ہے کہ غیر فقیہ صحابی کی بیان کردہ حدیث فقیہ صحابی کی بیان کردہ حدیث کے مقابلے میں قبول کی جائے گی۔ مثلاً وائل بنؓ حجر کی حدیث ابن عباسؓ کے مقابلے میں قطعاً قابل قبول نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو علمائے کرام "نور الانوار" کا مطالعہ کریں اور اردو داں طبقہ ہماری "اصول فقہ" کا مطالعہ کرے۔

ہمارے نزدیک اس اصول کی بانی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اسی اصول کی ترویج حضرت عمرؓ نے فرمائی۔ ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں بخاری و مسلم سے پیش کرتے ہیں۔

اکثر کتب احادیث میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب امیر المومنینؓ حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو حضرت صہیبؓ انھیں دیکھ کر رونے لگے۔ امیر المومنینؓ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یا صہیبؓ اتبکی علی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ	اے صہیبؓ تو مجھ پر روتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میت کو اس گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، میں نے اس واقعہ کا تذکرہ ام المومنین

حضرت عائشہؓ سے کیا۔ انہوں نے فرمایا۔

واللہ ماحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اھلہ علیہ ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ۔

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قطعاً بیان نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیگا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اسکے گھروالوں کے رونے کے سبب اضافہ فرماتا ہے

اس کے بعد ام المومنینؓ ارشاد فرماتی ہیں۔

وحسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ

اور تمہارے لئے قرآن کافی ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہ اٹھائے گا۔

بخاری ج۱ ص۱۷۲۔ مسلم ج۔۱ ص۳۰۳

ایک اور روایت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مرگئی تھی اور اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب اشارہ کرکے فرمایا۔

انھم لیبکون علیھا وانھا لتعذب فی قبرھا۔

یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں اور اسے اس کی قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔

بخاری، ج۱ ص۱۷۲ مسلم ج۱ ص۳۰۳

اس واقعہ سے چند اصول واضح ہوتے ہیں۔

۱ جب بھی کوئی حدیث خواہ کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو قرآن کے مخالف ہوگی تو اسے رد کردیا جائیگا۔ یا اس کی تاویل کی جائے گی۔ بعینہٖ اس صورت میں اس حدیث کو قطعاً قبول نہ کیا جائے گا۔

۲ اس حدیث کے راوی کتنا بھی اعلیٰ مقام رکھتے ہوں ان کی شخصیات کو نظرانداز

کر دیا جائیگا۔ کیوں کہ بعد کا کوئی راوی حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مقام کو قطعاً نہیں پہنچ سکتا۔

۳ ایسی صورت میں یہ تصور کیا جائیگا کہ ان حضرات کو غلط فہمی پیدا ہوئی یا واقعہ کو صحیح طور پر یاد نہ رکھ سکے یا اصل واقعہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

۴ اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے۔ اس کے لئے روایات کے سہاروں کی ضرورت نہیں۔

۵ جب حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کے خلاف کوئی شے اختیار نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ روایت بھی ان کی تائید کر رہی ہو، اور وہ بھی صحت کے ساتھ مروی ہو تو اس شخصیت کی کیسے اندھی تقلید کی جاسکتی ہے جس کا مقام حضرت عمرؓ سے کروڑ ہا درجے نیچے ہو، اور اگر روایت میں ضعف بھی پایا جاتا ہے تو پھر تو وہ اس قابل ہے کہ وہ پتھر پر دے ماری جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی جب یہ مذکورہ حدیث بیان کی تو ام المومنینؓ نے فرمایا

یغفر اللہ لابی عبدالرحمان اما انہ — اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمان (یعنی عبداللہ بن عمرؓ)

لم یکذب ولکنہ نسی او اخطا — کی مغفرت فرمائے وہ جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن

مسلم ج ۱ ص ۳۰۳ — وہ بھول گئے یا ان سے غلطی ہوئی۔

ام المومنینؓ کے ارشاد سے یہ اصول بھی سامنے آیا کہ روایت کے غلط ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ راوی کذاب یا ناقابل اعتبار ہو تب ہی روایت غلط ہوگی۔ بعض اوقات راوی انتہائی ثقہ اور معتبر ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی روایت اس کی کسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہے مثلاً بھول چوک، یا غلط فہمی۔ محدثین کی نظر میں ایسی روایت منکر کہلاتی ہے۔ اسی لئے محدثین میں منکرات مالک اور منکرات سفیان بن عیینہ وغیرہ مشہور ہیں۔

اسی باعث محدثین فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ بھول چوک اور

خطا لاحق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی سے الفاظ کی نقل میں غلطی ہوئی ہو۔ یا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پورا واقعہ نہ دیکھا ہو۔ اور اس کا کچھ حصہ سن کر یا دیکھ کر مغالطہ کھایا ہو اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ ہر راوی میں یہ تمام احتمالات ممکن ہوں گے۔ اور جب صورتحال یہ ہے تو تمام احادیث کتنی بھی اعلیٰ سند کے ساتھ مروی ہوں وہ سب ظنی کہلائیں گی کیونکہ نقل روایت میں ہر ہر قدم پر ظن ممکن ہے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ کسی روایت میں ظن زیادہ ہوگا کسی میں کم۔ مثلاً متواتر میں ظن بہت کم ہوگا جبکہ خبر واحد میں بہت زیادہ ہوگا۔

اسی طرح جس حدیث کی سند میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اس میں ظن بھی زیادہ ہوگا۔ اور جتنی راویوں کی تعداد کم ہوگی اتنا ہی ظن بھی کم ہوگا۔ اسی لئے محدثین اس حدیث کو جس کی سند میں راویوں کی تعداد کم ہوتی ہے اسے عالی (بلند) اور جس میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اسے سافل (کمتر) کہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے محدثین کی نظر میں امام مالکؒ کی مرویات بخاری و مسلم پر فوقیت رکھتی ہیں۔ کیوں کہ امام مالکؒ اور حضور کے درمیان دو یا تین راوی ہوتے ہیں جبکہ بخاری و مسلم اور حضور کے درمیان تین اور زیادہ سے زیادہ آٹھ راوی ہوتے ہیں۔ امام مالک کی مرویات کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ کی مرویات زیادہ بلند مقام رکھتی ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مختصر سے جملہ میں جہاں ایک فقہی اصول بیان فرمایا۔ وہاں حدیث کے سلسلہ میں بھی ایک اصول وضع فرما دیا یہ ام المومنین ہی کی ذات گرامی ہے جنہوں نے کتاب و سنت کے فرق کو نہ صرف ظاہر کیا بلکہ اس کے لئے اصول بھی متعین فرمائے۔

اس کی ایک اور مثال حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب مقتولین بدر ایک گڑھے میں ڈالدیئے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا

آج تو تم نے اپنے پروردگار کا وعدہ حق پالیا ہوگا۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ مردوں کو مخاطب کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون	تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔

بخاری ج ۱ ص ۱۸۳

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سن کر جواب دیا۔

انما قال النبي صلى الله عليه وسلم انهم ليعلمون الآن ما كنت اقول لهم وقد قال الله انك لا تسمع الموتى۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اب تو یہ یقیناً اس چیز کو جان گئے ہوں گے جو میں ان سے کہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ اے نبی یقیناً تم مردوں کو نہیں سنا سکتے
بخاری ج ۱ ص ۱۸۳	

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

وما انت بمسمع من في القبور يقول حين تبوؤا مقاعدهم من النار	اور اے نبی تم قبروں میں دفن شدہ لوگوں کو نہیں سنا سکتے" یہ بات آپ نے اسوقت کہی جب وہ اپنے جہنم کے ٹھکانے میں پہنچ گئے
بخاری ج ۲ ص ۵۶۷ مسلم ج ۱ ص ۳۰۳	

سہیلی نے سماع موتی کو بالجبر ثابت کرنے کے لئے اگرچہ ام المومنین کے اس فرمان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ام المومنین جنگ بدر میں موجود نہ تھیں اس لئے انھیں اصل واقعہ کا علم نہ ہوگا۔ لیکن کاش سہیلی جیسے حضرات یہ ثابت کر دکھاتے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں موجود تھے، حالانکہ بخاری میں وہ خود یہ بیان کر رہے ہیں کہ مجھے جنگ احد میں کم عمری کے باعث شامل نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ میری عمر اس وقت ۱۴ سال تھی۔ سب سے پہلا غزوہ جس میں میں نے شرکت کی وہ غزوہ خندق ہے۔ یعنی سہیلی نے جو اعتراض ام المومنین رضی اللہ عنہا پر کیا ہے وہی اعتراض ابن عمر رضی اللہ عنہ پر واقع ہوتا ہے۔ گویا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سنی

سُنائی بات بیان کی تھی۔ کوئی چشم دید واقعہ بیان نہ کیا تھا۔ اسی لئے تو ام المومنینؓ نے یہ جواب دیا تھا

ان السمع قد یخطی — یقیناً کان بھی سننے میں غلطی کرتے ہیں۔

مسئلہ زیر بحث یہ نہیں کہ کس کی روایت قابلِ قبول ہے اور کس کی ناقابلِ قبول۔ اور نہ یہ مسئلہ ہے کہ ان ہر دو روایات میں سے کونسی روایت متصل ہے اور کونسی مرسل بلکہ مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ روایت قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے ام المومنینؓ کے نزدیک قرآن سماع موتیٰ کا منکر ہے اور اس روایت سے سماع موتیٰ ثابت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ روایت قرآن کے خلاف ہے اور اس کی تاویل ضروری ہے۔ اور حدیث مرسل کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنا جیسا کہ آجکل کے علماء نے اپنا شیوہ بنالیا ہے۔ انتہائی جرأت ہے۔ اسی باعث بخاری ومسلم نے جہاں ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے وہاں فوراً بطور تردید ام المؤمنین کا قول بھی نقل کیا ہے۔

اس کی ایک اور واضح مثال حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث ہے کہ انہیں ان کے خاوند ابوحفصؓ بن عمر نے بذریعہ وکیل تین طلاقیں دیں اور ابوحفص اس وقت مدینہ سے باہر تھے۔ ابوحفصؓ کے بھائیوں نے فاطمہ کو بھائی کے گھر عدت گذارنے سے منع کردیا اور دوران عدت نفقہ سے بھی انکار کردیا۔ فاطمہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی آپ نے فاطمہؓ کے بقول ان سے فرمایا۔

لا نفقۃ ولا سکنی لک — نہ تجھے نفقہ ملے گا اور نہ رہائش ملے گی

یہ حدیث فاطمہؓ بنتِ قیس سے متعدد سندات کے ساتھ کتب احادیث میں مروی ہے۔ لیکن صحابہ کرام اور تابعین کا اس کے ساتھ کیا ردِ عمل رہا ہے۔ وہ خود کتب حدیث میں اس روایت کے ساتھ ساتھ موجود ہے۔ ہم ان میں سے چند جزئیات قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔

ابواسحٰق سبیعی تابعی المتوفی سنہ ۱۱۹ھ کا بیان ہے کہ میں اسود بن یزید المتوفی سنہ ۷۵ھ اور عامر بن شراحیل شعبی المتوفی سنہ ۱۰۴ھ کے پاس بیٹھا تھا کہ شعبی نے اس مجلس میں فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی۔ اسود بن یزید نے روایت سن کر ایک مٹھی کنکریوں سے بھری اور امام شعبی کے منہ پر دے ماری اور فرمایا۔

ویلک تحدث بمثل ھذا	افسوس تم اس قسم کی حدیث بیان کرتے ہو
قال عمر لا نترک کتاب اللہ	حالانکہ حضرت عمرؓ نے تو فرمایا تھا۔ ہم کتاب
وسنت نبینا صلی اللہ علیہ	اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لقول امراۃ لا ندری	وسلم کو ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کرسکتے
لعلھا حفظت اونسیت	ہم نہیں جانتے کہ اس نے حدیث صحیح طور پر
لیس لھا السکنی والنفقۃ	یاد رکھی یا بھول گئی کہ کہتی ہے کہ مطلقہ کے
قال اللہ عزوجل لَا تُخْرِ	لئے نہ رہائش ہے اور نہ نفقہ حالانکہ اللہ
جُوْھُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ	تعالیٰ کا ارشاد ہے "انھیں ان کے گھروں
لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ	سے نہ نکالو اور وہ گھروں سے نہ نکلیں،
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ	تاوقتیکہ وہ خود کھلی برائی میں مبتلا نہ ہو
مسلم ج ۱ ص ۴۸۵	جائیں۔

عروۃ بن الزبیر کا بیان ہے کہ میں نے فاطمہؓ کی روایت کا تذکرہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کیا۔ انہوں نے سنکر فرمایا۔

ما لفاطمۃ بنت قیس خیر ان تذکر	فاطمہؓ بنت قیس میں کوئی بھلائی نہیں
ھذا الحدیث	جو وہ یہ حدیث بیان کرتی ہے۔

بخاری ۔ ج ۱ ص ۴۸۵ ۔ ج ۲ ص ۸۰۳

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں۔

اما انه لا خير لها في ذكر ذلك ۔ بخاری ج ۲ ص ۸۰۲ مسلم ج ۱ ص ۴۸۵ — بہرصورت اس حدیث کے ذکر میں فاطمہ کے لئے کوئی بھلائی نہیں ۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ام المومنین رضؓ نے فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ

الا تتقی اللہ بخاری ج ۲ ص ۸۰۳ — کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی ۔

آخر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کے معاملے میں اتنا سخت طرزِ عمل کیوں اختیار کیا ۔ آخر وہ بھی صحابیہ تھیں ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کر رہی تھیں ۔ چوں کہ ان کی بیان کردہ حدیث کتاب اللہ کے خلاف تھی ۔ اس لئے حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ نے اس پر نکیر فرمائی ۔ اور امام شعبی نے بحیثیت راوی جب فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی تو امام اسود بن یزید نے ان کے منہ پر کنکریاں ماریں ۔

صحابہؓ کرام اور تابعین کبار کا یہ طرزِ عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ہر وہ روایت جو قرآن کے خلاف ہو گی ، خواہ وہ کتنی بھی صحیح ہو نا قابلِ قبول ہو گی ، اور اس پر عمل جائز نہ ہو گا

یہی تو وجہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے پاس قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو ۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا

حسبنا کتاب اللہ — ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے ۔

یعنی گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے اس قول پر سکوت فرمایا جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کی اس رائے سے متفق تھے ۔ کیوں کہ اگر یہ رائے غلط تھی تو نبی غلط بات پر خاموش نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا جس معاملہ میں کتاب اللہ کا حکم پایا جاتا ہو وہاں روایات کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی ۔ اس لئے اصولِ فقہ کا یہ اصول ہے ۔

اصول الفقہ اربعۃ اولہ کتاب الله ثم سنۃ رسول الله صلی الله علیہ وسلم

فقہ کے اصول چار ہیں اوّل کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر اجماع صحابہ پھر قیاس

مسئلہ زیر بحث میں ہمارے علماء جو اس کے قائل ہیں کہ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا ان کی بھی اس مسئلہ میں اصل بنیاد کتاب اللہ ہے اور وہ خود اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ چوں کہ اس معاملے میں کتاب اللہ نے ایک واضح حکم دیا ہے لہٰذا اب کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور فقہاء احناف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمرؓ کے ارشادات کو بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں لہٰذا ایصال ثواب کے معاملے میں بھی یہ ضروری ہے کہ اوّل ہم یہ چھان بین کریں کہ کیا قرآن نے اس سلسلہ میں کوئی حکم دیا ہے یا نہیں۔ اگر قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے تو پھر جو روایات اس کے خلاف واقع ہونگی وہ ناقابلِ قبول ہوں گی اور اگر قرآن نے اس مسئلے سے سکوت اختیار کیا ہے تو پھر مسئلہ ضرور غور طلب ہوگا۔

لہٰذا اولین ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مسئلہ کو کتاب اللہ میں تلاش کیا جائے۔ اگر وہاں اس کی وضاحت نہ ہو تو پھر سنت رسول کو اختیار کیا جائیگا اور اس کتاب کی تحریر کا مقصد بھی یہی ہے

کیا کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں لکھا جا سکتا ہے

(ب) اب رہا یہ پہلو کہ کسی نیک عمل یا کار خیر کا اجر کسی دوسرے کو مل سکتا ہے یا نہیں اوّل عرض تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جزاء و سزا تحریر نہیں کی جاتی بلکہ اعمال و افعال تحریر کئے جاتے ہیں یعنی کراماً کاتبین ہمارے افعال تحریر کرتے ہیں۔ ثواب و عذاب تحریر نہیں کرتے۔

ثواب وعذاب کا فیصلہ تو قیامت کے روز سنایا جائیگا۔ اس لحاظ سے "ایصالِ ثواب" کی اصطلاح ایک احمقانہ اصطلاح ہے۔ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ اپنی اس حرکت کو ایصالِ عمل کے نام سے موسوم کرتے حالانکہ آج تک کسی نے اس فرضی ایصال کو "ایصالِ عمل" کے نام سے موسوم نہیں کیا اور نہ اس کا کوئی دلدادہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم اپنے اعمال ایصال کر رہے ہیں

پھر اسی لحاظ سے جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ اس مرض کے دلدادہ کبھی کسی زندہ کو اپنے ثواب کا ایصال نہیں کرتے۔ اور نہ آج تک اس کا کوئی قائل رہا ہے۔ اور نہ آج تک کسی زندہ نے کسی دوسرے زندہ کو اپنے عمل کا ثواب بخشا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس "ایصال" کے دعویدار نفسیاتی مرض کا شکار ہیں۔ ایک شئے کو جائز بھی کہتے ہیں اور ناجائز بھی کیونکہ ہماری معلومات کے مطابق یہ ایصال صرف مُردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور زندہ اس ثواب کا ہرگز مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ کیوں کہ اس دور میں زندوں کے جتنے حقوق اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر لازم کئے تھے۔ وہ سب زندوں سے چھین کر مردوں کے نام رجسٹرڈ کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح زندوں کے تمام حقوق مردے لے اڑے اور ان مردوں کے نام پر پیروں اور مجاوروں کے ایک مخصوص طبقہ نے جگہ جگہ دکانیں کھول رکھی ہیں۔

اگر ہمارے علماء یہ تسلیم کریں کہ ہاں ان کے نزدیک زندوں کو ثواب پہنچانا بھی جائز ہے تو میری ان سے درخواست ہے کہ مجھ جیسے گنہگار کے لئے بھی کچھ نہ کچھ ارسال کر دیں لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ ثواب وعذاب کا فیصلہ آپ کے قبضہ میں نہیں۔ اور نہ آپ اس کے مالک ہیں۔ اس کا ایصال تو ایک مہمل اور احمقانہ عمل ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے تمام اعمال کا پارسل کر دیں۔ ہم بھی دعا کریں گے کہ وہ پارسل عالم عقبیٰ میں ہمیں موصول ہو جائے۔ لیکن ہمیں آپکا وہ عمل چاہئیے جو خالصتاً للہ ہو۔

جہاں تک اس شق کا تعلق ہے کہ زندوں کا عمل مردوں کو پہنچ سکتا ہے یا سپلائی کیا جاسکتا ہے۔ اور اس طرح مردوں کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے تو آپ کو اپنے اعمال سے اتنی چڑ

کیوں ہے کہ تمام تیار شدہ مال باہر برآمد کر دیتے جبکہ اپنی ذات کے استعمال کے لئے تو رکھ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہاں خالی ہاتھ نظر آئیں اور کف افسوس ملتے رہ جائیں۔

اس مرض کا شکار ہندو پاکستان اور اس علاقے کے لوگ ہیں جہاں جہاں ایرانیوں کا اثر رہا۔ اسلام عجمیوں کے ذریعہ پھیلا لیکن جن مقامات میں اسلام عربوں کے ذریعہ پھیلا مثلاً سعودی عرب یمن، شام، فلسطین اور مصر وغیرہ۔ وہاں کے لوگ اس متعدی مرض سے پاک ہیں۔ پاک و ہند کے لوگ اپنی بدعملی کے لئے اس ایصال کو تریاق تصور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ زندگی بھر خوب دل کھول کر بدعملی کی جاتی، اور خوب جی بھر کر دوسروں کے حقوق غصب کئے جاتے ہیں اور آنکھیں بند ہوتے ہی لواحقین اس کے نام ثوابوں کے پارسل ارسال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ پارسل بھی کوئی مفت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پارسل کے لئے ضروری ہے کہ قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور تیجے کے نام سے پوری برادری جمع ہو۔ اور برادری کو جمع کرنے کے لئے دعوت بھی شرط ہے۔ اس لئے جہاں مرنے والا مرتا ہے۔ وہاں زندہ کو بھی اپنے ساتھ درگور کر لیتا ہے۔ پھر اس اہتمام کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ برادری کا ہر فرد قرآن بھی پڑھے بلکہ صرف اس کی آمد کافی تصور کی جاتی ہے۔ گویا ایصال ثواب تو صرف ایک دھوکہ ہے۔ اور مقصود دعوت اڑانا ہے۔ ورنہ اگر برادری کا کوئی فرد گھر بیٹھ کر لگاتار تمام زندگی اس مردے کو ثواب بخشتا رہے تو وہ برادری سے خارج ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے نام پر ان اسلام دشمنوں نے جو کھیل کھیلا تھا۔ اس میں اس نے شرکت نہیں کی اور یہ ایک ایسا جرم ہے جو برادری معاف نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس کا بائیکاٹ ضروری ہے۔

اس موقعہ پر جو مال خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کے معاملے میں یہ غور بھی نہیں کیا جاتا کہ یہ مال حلال ہے یا حرام۔ اگر میراث میں سے خرچ کیا جا رہا ہے تو کس کس کا حصہ دبایا گیا۔ یہ سب چیزیں چنداں اہمیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے کہ زندوں کا حق مارنا اور ان کا مال غصب کرنا ایک کارِ خیر ہے اور اس کے بغیر مردہ بخشا نہیں جا سکتا وہ بیچارہ قبر میں ہی تڑپتا رہتا ہے کہ کب زندہ لوگ میرے نام ارسال

کرتے ہیں تاکہ مجھے کچھ کھانے کو ملے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے یہاں تو اس کی کوئی پوچھ نہیں ہوئی اسے بھوکا مار دیا گیا لیکن اس بھوک کو مٹانے کے لئے تیسرا دن کیا ضروری ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پہلے ہی دن یہ کام کرتے۔ تاکہ اس کی بھوک مٹ جاتی۔ تیجے کے بعد دسواں اور پھر چالیسواں کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک سال کی غذا فراہم کر دی جاتی ہے پھر سال بہ سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کیوں کہ مردہ اس دنیا سے کچھ لے کر نہیں گیا تھا۔ اور جو اعمال اس نے انجام دیئے تھے وہ سابقہ مردوں کے نام ارسال کر چکا تھا۔ اب اس کے پاس کیا باقی رہ گیا تھا۔ جو اسے صلہ ملتا۔ لہٰذا اب وہ دوسرے زندوں کے ایصال کا منتظر رہتا ہے کہ کب دیگ چڑھتی ہے اور کب اسے کھانے کو ملتا ہے۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ پاکستان کی نوّے فی صد آبادی غریب طبقہ پر مشتمل ہے۔ اور ہمیشہ غریب طبقہ کی تعداد زیادہ ہی اور آئندہ بھی رہے گی، یہ طبقہ قرض لے کر ان رسومات کو پورا کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ سال ہا سال تک قرض کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ اپنی بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر قرض ادا کرتا ہے/ اور اس طرح یہ مُردے زندوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ مردوں کے حق میں یہ ایصالِ ثواب ہے اور زندوں کے حق میں ایصالِ عذاب۔

شریعت اسلامیہ کی ایک ایک شق کو پڑھ لیجئے۔ ایک ایک کتاب کا مطالعہ کر لیجئے تو آپکو صاف نظر آئیگا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں پر زندوں کے حقوق متعین کئے اور ان ہی کی آپ تمام زندگی تعلیم دیتے رہے۔ مردوں کا ہم پر سوائے دعا کے کوئی حق نہیں رکھا گیا، لیکن ان غاصبین نے مردوں کے نام پر زندوں کے ٹھگنے کے ادارے قائم کر رکھے ہیں اور اسکا نام اسلام رکھ لیا ہے۔ حاشا وکلا کتاب وسنت میں ان خرافات کا کوئی وجود نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کی ڈیوٹی دوسرے کے کھاتے میں تحریر کی جاتی ہے۔ یہ دھاندلی تو اس دنیا ہی میں چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس ظلم سے منزہ ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو کتاب اللہ کا ابتداء سے انتہا تک مطالعہ کر لیجئے۔ وہ کھل کھل کر

اعلان کر رہی ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے قطعاً کام نہ آئے گا جس طرح کسی کے گناہ کا بھی بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کسی کا عمل خیر دوسرے کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ اس موضوع پر ایک دو نہیں سیکڑوں آیات ہیں، جن میں سے بعض ان شاء اللہ ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔

ہاں ہمیں افسوس یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام اس ایصال کا جواز ثابت کرنے کے لئے اس مقام پر روایات کا سہارا لیتے، اور الٹی منطق سے کام لیتے ہوئے آیات قرآنیہ کی تاویل کرتے ہیں وہ بھی ایسی بودی تاویل کہ جو ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کی مصداق ہوتی ہے۔ حالانکہ ایصالِ گناہ کے معاملے میں اس کے برعکس اصول اختیار کیا جاتا ہے یعنی ان روایات کی تاویل کی جاتی ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ "مردے پر رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے۔ یہاں ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یہ عذاب اسی وقت ممکن ہے کہ جب مرنے والا رونے کی وصیت کر کے مرے یا رونے کی وہ تعلیم دیتا رہا ہو یعنی مرنے والے کا اس عمل میں کوئی دخل ہو، ورنہ مرنے والے کو اس رونے پر قطعاً کوئی عذاب نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں، بلکہ جس کا فعل ہے اسے عذاب ملے گا کیونکہ یہ کتاب اللہ اور اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔ علماء حضرات اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دل سے بتائیں کہ کیا یہ تاویل نہیں۔؟ اور کیا حضرت عائشہؓ نے مخالفت قرآنی کے باعث اس روایت پر نکیر نہیں فرمائی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا کوئی عالم انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ان حضرات نے ایصالِ ثواب کے معاملے میں اس کے برعکس رویّہ اختیار کیا اور قرآن کی تاویل کی کہ جہاں جہاں یہ ذکر آ رہا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ اس سے صرف عملِ بد مراد ہے اور نیک عمل اس حکم سے خارج ہے۔ حقیقت کیا ہے یہ تو قارئین کے سامنے آئندہ صفحات میں آ جائے گی، اسی قسم کی بیہودہ تاویل سماع موتی اور حیات النبی کے مسئلہ میں بھی اختیار کی گئی ہے۔ گویا کتاب اللہ ایک کھلونا ہے کہ جس طرف چاہا اس کا منہ موڑ دیا۔ جب تک اپنی مرضی کے مطابق کوئی حکم نظر آیا اسے قبول کیا اور جب خلاف منشا پایا تاک

بکرکام مروڑ دی۔

افسوس صد افسوس ہمارے حنفی علماء نے اپنے اصولِ فقہ کو جس طرح جڑ و بن سے اکھاڑ پھینکا ہے اس کی یہ ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ کیونکہ فقہاء احناف کا یہ مسلّم اصول ہے کہ جو روایت قرآن کے خلاف واقع ہو یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو یا اس سے عموم قرآنی مشروط قرار پاتا ہو تو اس روایت کی یا تو تاویل کی جائے گی یا اسے رد کر دیا جائیگا اس لئے کہ اس سے قرآن کا نسخ لازم آتا ہے۔ اور ظنی شئے کے ذریعہ قطعی کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا یقین نہ آئے تو اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "نور الانوار" کا مطالعہ کر لیجئے۔

ہمارے عربی مدارس میں اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھاتے وقت ہمارے علماء اس اصول پر بڑی شد و مد سے بحث کرتے اور شوافع اور اہلِ ظاہر کا رد کرتے ہیں لیکن یہ سب کتابی اور درسی باتیں ہیں۔ عملی زندگی میں سب سے بڑا اصول بزرگوں کی اندھی تقلید اور عوام کی خوشنودی ہے۔ اس اصول کی خاطر تمام اصول قربان کئے جا سکتے ہیں۔ اور حاشا واللہ یہ سب کے سب خود کو حنفی کہنے پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ان کی فقہ کو جتنا بدنام ان نام نہاد ناداں دوستوں نے کیا ہے اتنا بدنام ان کے بد ترین دشمن یعنی اہلِ ظواہر بھی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ناداں دوستوں سے محفوظ رکھے آمین۔

اب ہم سطورِ ذیل میں وہ آیات پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کسی کا نیک عمل بھی دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ قرآن کا یہ کلیہ عام ہے جس کی عمومیت کو کسی صورت میں خاص نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب اللہ کی وضاحت

پارۂ اوّل کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام یعنی حضرت ابراہیمؑ

حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کا تذکرہ کر کے فرمایا ہے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ	یہ ان بزرگوں کی، ایک جماعت تھی
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ	جو گذر گئی، ان کے کام ان کا کیا ہوا
لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ	آئے گا، اور تمہارے کام تمہارا کیا
وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا	ہوا آئے گا۔ اور تم سے ان کے کئے
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝	ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی ۲۔ : ۱۴۱

۱۴۱۔البقرہ

یہ آیت اس رکوع میں دوبارہ آئی ہے اور واضح طور پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ ان انبیاء کرام کے اعمال خیر تمہارے ہرگز کام نہیں آسکتے اور نہ تمہارے اعمال خیر ان کے کام آسکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے۔ کیوں کہ لفظ کسب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس کی کمائی ہے جس نے محنت سے کام کیا ہے اور جس نے جیتنی اور جس قسم کی مزدوری کی ہے اس کی اجرت اسی کو ملے گی۔ مفسر قرطبی اپنی احکام القرآن میں لکھتے ہیں

ولكم ما كسبتم يريد	اور تمہارے لئے تمہارا کیا ہوا۔ خواہ
من خير و شر	وہ خیر ہو یا شر۔

تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۵۱۳

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ اى	یعنی جب انبیاء کرام کو باوجودیکہ وہ امت
اذا كان ذلك الانبياء على	کے امام بھی ہیں اور ان سے افضل بھی
امامتهم و فضلهم	ہیں، انھیں ان کی کمائی کی جزا دی جائے
يجازون بكسبهم فانتم	گی۔ تو تم تو اس کے زیادہ لائق ہو۔ اسی
احرى فوجب التاكيد	لئے تاکیدی جملہ لائے اور اسے مکرر
فلذلك كررها	ذکر کیا۔

تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۵۳۱

یعنی کسب و کمائی اچھی بھی ہو سکتی ہے۔ اور بری بھی اور کسی کی کمائی دوسرے کے نامزد نہیں ہو سکتی۔ جب انبیاء اکرام کی محنت کسی دوسرے کے نام نہیں کی جا سکتی، تو وہ لوگ جن کی انبیاء اکرام کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ان کی کمائی کسی دوسرے کے کھاتے میں کیسے تحریر کی جا سکتی ہے؟

اگر کوئی صاحب یہ تاویل فرمانے کی کوشش کریں کہ اس آیت کا تعلق بھی اعمال بد اور گناہوں سے ہے تو ہماری نظر میں اس سے زیادہ جاہل اور احمق ترین کوئی انسان نہ ہو گا۔ کیوں کہ وہ اپنی حماقت سے یہ دعویٰ کرے گا کہ مذکورہ انبیاء کرام بھی گناہوں میں مبتلا رہے "عیاذاً باللہ" جبکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور قرآن بھی ان کے فضائل بیان کر رہا ہے۔ گناہ آلود زندگی کا کوئی ذکر نہیں کرتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اعمال خیر کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں اعمال خیر کو اعمال شر قرار دینا یہ اس امر کی دلیل ہو گی کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس آیت میں اعمال شر مراد ہیں وہ خود شر الناس ہے۔ وہ ایک زندیق ہے جو قرآن کے معنی میں تحریف کر رہا ہے۔ ہماری نظر میں کوئی عالم تو اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

علماء حضرات علم النحو کا یہ قاعدہ جانتے ہیں کہ عربی زبان میں کسب کے دو صلے آتے ہیں حرف لام اور حرف علیٰ جب حرف لام آتا ہے تو اس سے نیک عمل اور اچھا اجر مراد ہوتا ہے۔ اور جب علیٰ آتا ہے تو بد عملی اور عذاب مراد ہوتا ہے حسن اتفاق سے ان ہر دو آیات میں ہر جگہ حرف لام آیا ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ ان آیات میں اعمال خیر اور ان کا اجر مراد ہے، نہ کہ اعمال شر اور ان کی سزا۔

قارئین کرام اور اردو داں طبقہ کے لئے اس قاعدہ کا سمجھنا دشوار ہے۔ لیکن ہم ایک ایسا طریقہ بتائے دیتے ہیں جس سے آپ بہ آسانی سمجھ سکیں گے کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ کسب آیا ہے اس سے کسب خیر اور کسب شر دونوں مراد ہو سکتے ہیں چنانچہ یاد رکھئے کہ جس آیت میں بھی لفظ کسب استعمال ہوا ہو۔ اگر اس کے قریب و جوار میں لام زبر والا موجود ہو تو اس سے امر خیر

اور اس کا اچھا اجر مراد ہوتا ہے۔ اور اگر لفظ کسب کے قرب وجوار میں لفظِ علیٰ نظر آئے تو اس سے عمل بد اور عذاب مراد ہوتا ہے۔ اتفاق سے گذشتہ آیت میں دونوں مقام پر لام موجود ہے۔ آگے چل کر قارئین کے سامنے ایسی آیات بھی آئیں گی جہاں لفظ کسب کے ساتھ حرف لام اور حرف علیٰ دونوں جمع ہوں گے وہاں اس کی مزید وضاحت کر دی جائے گی۔

اب بھی اگر کسی کے ذہن میں کسی قسم کا اشکال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی رکوع میں اسے دوسرے لفظوں میں بھی واضح فرمایا ہے۔ ارشاد ہے

لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۔ ا	اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا۔
۱۳۹۔البقرہ	۱۳۹ : ۲

ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور مرنے والوں کے اعمال مرنے والوں کے کام آئیں گے۔ اسلام میں مذہب عیسویت کی طرح کوئی دوسرے کا کفارہ نہیں بن سکتا۔ اور نہ کسی کا عمل بطور کفارہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی یہ امر طاقتِ انسانی سے باہر ہے کہ انسان پر جہاں اس کا بوجھ ڈالا جائے، وہاں مرنے والوں کا بار بھی اس پر لاد دیا جائے حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط	اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔ اسکو
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ	ثواب بھی اسی کا ملے گا جو وہ ارادے سے کرے
البقرہ ۲۸۶	اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو وہ ارادے سے کرے ۲۸۶ : ۲

کسی ایک فرد پر متعدد افراد کا بوجھ ڈالنا جہاں طاقتِ بشریہ سے ماورا ہے وہاں یہ سراسر ظلم بھی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جا بجا قرآنِ مجید میں اس بات کو دہراتا ہے کہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور اسی لئے اس کی بارگاہ کا یہ اصول ہے کہ اگر

نیک عمل ہے تو اس کا اجر اسکے فاعل ہی کو ملے گا اور اگر عمل بد ہے تو اس کی سزا کا مستحق بھی اسکا فاعل ہے۔ جس طرح ایک شخص کے گناہ کا بار دوسرا نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کسی کے نیک عمل کا اجر دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالےٰ نے دونوں امور کی وضاحت فرمائی ہے، کہ اچھا عمل کرنے والے کو اس کی اچھی جزا ملے گی اور برا عمل کرنے والے کو اس کی بری جزا ملے گی۔

قارئین کرام اس آیت کو غور سے پڑھیں تو انھیں یہ صاف محسوس ہوگا کہ اس آیت میں لفظ کسب دو دفعہ آیا۔ ایک مقام پر لفظِ کسب کے ساتھ لَهَا اور دوسرے مقام پر عَلَيْهَا کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی وہی حرف لام اور حرف علیٰ کیونکہ ایک جگہ اچھے اجر کا ذکر ہے اور ایک جگہ اجر بد کا۔ کیا ہمارے علماء اتنے معمولی سے فرق کو سمجھنے سے بھی معذور ہیں۔ اگر واقعتاً ایسا ہے تو کم از کم وہ "کتاب النحو" یا قدوسی کی "معلم عربی" کا مطالعہ کرلیں۔ اسی مفہوم کو ایک اور مقام پر ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ البقرہ ۲۰۲ — ایسے لوگوں کو (دونوں جہاں میں) حصہ ملے گا بدولت ان کے عمل کے ۲:۲۰۲

اس مقام پر بھی لفظ کسب کے ساتھ لام آرہا ہے۔ یعنی یہاں بھی عمل خیر کا ذکر ہے۔ عمل شر کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ یہ ممکن ہے۔ اس لئے کہ سابقہ آیات میں حج کا ذکر چل رہا ہے۔ پھر درمیان میں دنیاداروں کا کردار اور ان کی دعا نقل کرکے یہ فیصلہ سنایا گیا۔

وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ البقرہ ۲۰۰ — اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ۲:۲۰۰

پھر مومنین اور ان کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ البقرہ ۲۰۱ — اے پروردگار ہم کو دنیا میں بہتری عطا کیجئے اور آخرت میں بہتری دیجئے۔ اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے۔ ۲ : ۲۰۱

اس کے بعد اس جماعت کا انجام بیان کیا جاتا ہے۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا البقرہ ۲۰۲ — ایسے لوگوں کو (دونوں جہان میں) حصہ ملے گا۔ بدولت ان کے اس عمل کے۔ ۲۰۲:۲

ظاہر ہے کہ یہاں کسب سے مراد حج اور دعا ہے جو کہ عمل خیر ہے۔ گویا اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کے ان اعمال کی قبولیت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی اس قسم کے الفاظ میں جس سے قیامت تک آنے والوں کے لئے ایک اصولی شئے سامنے آجائے کہ انسان کو صرف اسی کے عمل خیر کا اجر ملے گا۔ ایسی صورت میں یہ تاویل کہ اسکا تعلق گناہوں سے ہے کوئی مفتری تو کر سکتا ہے لیکن جس کا کتاب اللہ پر ایمان ہو یا اس نے قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا ہو وہ اس قسم کے تخیل کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مشہور مفسر ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر احکام القرآن میں رقم طراز ہیں۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا۔
هذا يرجع الى الفريق الثاني فريق الاسلام اى لهم ثواب الحج او ثواب الدعاء فان دعاء المومن عبادة وقيل يرجع اولئك الى الفريقين فللمومن ثواب عمله ودعائه وللكافر عقاب شركه وقصر نظره على الدنيا وهو مثل قوله تعالى وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔

"ان لوگوں کے لئے ان کے عمل کا حصہ ہے" اس سے مراد فریق ثانی یعنی فریق اسلام ہے یعنی ان کے لئے حج اور دعا کا ثواب ہے کیونکہ مومن کی دعا بھی عبادت ہے۔ ایک قول ضعیف یہ ہے کہ اس آیت سے دونوں فریق مراد ہیں جس کی رو سے مومن کے لئے اس کے عمل اور دعا کا اجر ہوگا اور کافر کے لئے اس کے شرک اور دنیا کو مطمح نظر بنانے کا عذاب ہوگا۔ اس صورت میں یہ آیت ایک دوسری آیت کے مثل ہوگی۔ "اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں"

تفسیر قرطبی ج۔۱ ص۸۰۶

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب لفظ کسب کے ساتھ حرف لام اور حرف علیٰ ان دونوں میں سے کوئی بھی حرف مذکور نہ ہو تو عام کسب مراد ہوتا ہے یعنی خیر اور شر دونوں اس میں داخل ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ نے اس عمومیت کے ساتھ سورۃ آلِ عمران میں تذکرہ کیا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ آلِ عمران۔ ۲۵

سو ان کا کیا (بُرا) حال ہوگا جب کہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے، جس (کے آنے) میں ذرا شبہ نہیں اور اس (تاریخ) میں پورا پورا بدلہ مل جاویگا۔ ہر شخص کو جو اس نے (دنیا) میں کیا تھا۔ اور ان شخصیتوں پر ظلم نہ کیا جائیگا۔ ۳ : ۲۵

اس آیت میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اور یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس روز ہر ایک کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ کوئی عمل ایسا باقی نہ بچے گا جس کا پورا پورا بدلہ نہ دیا جائے۔ خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد، خیر ہو یا شر، انسان کو ہر اس عمل کا صلہ ضرور ملے گا جو اس نے دنیاوی زندگی میں کسب کیا ہے۔ یعنی دنیا میں اس نے جس قسم کی مزدوری کی تھی اسے اس کی اجرت ضرور ملے گی یہ ہرگز نہ ہوگا کہ کسی کی اجرت کسی دوسرے کو تھما دی جائے۔ کیوں کہ یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ آلِ عمران ۲۵ — اور ان شخصیتوں پر ظلم نہ کیا جائیگا ۳ : ۲۵

کلام اللہ کا سب سے بڑا حسن تو یہی ہے کہ اس کا کوئی جملہ، کوئی لفظ اور کوئی حرف بے معنیٰ اور بے مقصد نہیں ہے۔ کاش کوئی قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس کے برعکس ہم نے اس کی تلاوت بھی کی تو وہ بھی اس طرح کہ روانی میں تار برقی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اور سمجھنے کے معاملے میں یہ مفروضہ قائم کر لیا گیا کہ اسے کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہی سمجھ سکتا ہے۔ کیوں کہ قرآن کے ظاہری معنی مقصود نہیں۔ بلکہ اس کے باطنی معنی مقصود ہیں۔ اور وہ خاص خاص

افراد ہی کو معلوم ہو سکتے ہیں اور یہ خالص شیعوں کا عقیدہ ہے۔ قرآن تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ	اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ ۵۴ : ۲۲
۲۲ القمر	

اگر قرآن کا سمجھنا اتنا ہی دشوار تھا تو کفارِ عرب سے یہ مطالبہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۲۴ محمد	تو کیا یہ لوگ قران میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ ۴۷ : ۲۴

قطعاً بے معنی ہے ظاہر ہے کہ کفارِ عرب اس کے معنی سمجھتے تھے جب ہی تو ان سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ہم تو کفارِ مکہ کی منزل سے بھی گذر گئے ہیں۔ بلکہ اس دعویٰ کے بعد تو سمجھنے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب تو قرآن جھوٹی قسمیں کھانے، تعویذ گنڈے کرنے، فال کھولنے اور مردوں کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے باقی رہ گیا ہے۔ بلکہ بہت سے اسلام کے دعویدار صرف قرآن خوانی کے وقت اسے کھول کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اس قرآن خوانی کا شریعتِ اسلامیہ میں کوئی وجود نہیں۔ پورے دورِ نبوی، دورِ صحابہ، دورِ تابعین اور دورِ تبع تابعین کو دیکھ لیجئے، کہیں اسکا وجود نظر نہ آئے گا اور نہ کسی امام نے یہ کام انجام دیا۔ اور نہ اس کا حکم دیا۔ بلکہ تمام کتبِ احادیث، کتبِ تفسیر کتبِ فقہ اور کتبِ تاریخ کو چھان لیجئے، وہاں قرآن خوانی نام کی کوئی چڑیا نظر نہ آئے گی۔ گویا وہ حضرات جن کا مقام تمام امت سے بلند و بالا ہو وہ تو اس نعمت سے محروم رہیں اگر اس قرآن خوانی کے بغیر ان کی اور ان کے مُردوں کی نجات ممکن تھی تو ہماری اور آپ کی نجات بھی اس کے بغیر ممکن ہے۔ اور اگر قرآن خوانی اور اسکا ثواب پہونچائے بغیر نجات ممکن نہیں تو تمام صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کو نعوذ باللہ جہنمی ماننا لازم آئے گا۔

حالانکہ صحابہ کے جنتی ہونے کا قرآن نے سیکڑوں جگہ دعویٰ کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر تبرّا اور کیا ہوگا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں میں جب کوئی مرتا ہے تو پنڈت کو بلایا جاتا ہے اور وہ بیٹھ کر اشلوک پڑھتا ہے۔ اور یہ عمل تیسرے، دسویں، چالیسویں دن اور ختم سال پر کیا جاتا ہے۔ شیعوں میں مرنے والے کے لئے ان دنوں میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے، جیسے مجلس عزاداری کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند کے سنیوں نے ہندوؤں اور شیعوں سے ان رسموں کو لے کر اشلوک کے بجائے قرآن خوانی شروع کردی تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس اشلوک خوانی میں ہم تم سے ہرگز پیچھے نہیں۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب تک مرنے والے کے لئے اشلوک نہ پڑھے جائیں اور دان پُن یعنی صدقہ وخیرات نہ کی جائے تو مردے کی روح کھانے کی منتظر رہتی ہے۔ اتفاق سے اسی قسم کا عقیدہ دعویداران اسلام کا بھی ہوگیا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں وہی چیز خیرات کی جاتی ہے جو مرنے والے کو مرغوب تھی۔ ہم نے بھی وہی طریقہ اختیار کرلیا۔ الغرض ہمیں دنیا کی ہر کافر قوم کا طریقہ محبوب ہے۔ اگر محبوب نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ۔ ہم دنیا کے ہر فرد کی نقالی کے لئے تیار ہیں۔ اگر تیار نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقالی کے لئے تیار نہیں حالانکہ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝ الاحزاب ۲۱	بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی میں بہتری ہے۔ ۳۳ : ۲۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے متعدد صاحبزادوں اور تین صاحبزادیوں کا انتقال ہوا۔ آپ کے متعدد اعزاء اقارب نے بھی وفات پائی مثلاً حضرت حمزہؓ آپکے چچا حضرت جعفرؓ آپ کے چچا زاد بھائی اور حضرت عبیدہ بن

الحارثؓ آپ کے چچازاد بھائی نے جام شہادت نوش کیا۔ آپ کے رضاعی بھائی ابوسلمہؓ، اور عثمانؓ بن مظعون کا انتقال ہوا۔ آپ نے کس کے لئے قرآن خوانی کی؟ کاش ہمیں حدیث و تاریخ میں کسی ایک جگہ بھی کوئی دکھلا دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کس صحابی اور کس عزیز و قریب نے قرآن خوانی یا ایصالِ ثواب کیا۔ بلکہ وہ حضرات اس چکر میں پڑ جاتے تو آج ہند و پاکستان میں کوئی مسلمان نظر نہ آتا۔ اس لئے کہ ہر جنگ میں متعدد افراد شہید ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ واقعہ جسر، یرموک، اور قادسیہ کے میدان میں چار چار ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اگر وہ ان شہداء کی قرآن خوانی، ایصالِ ثواب تیجوں چالیسویں اور برسیوں کے چکر میں لگ جاتے تو اسلام کا مشرقِ وسطیٰ ہی میں خاتمہ ہو جاتا۔

آمدم بر سرِ مطلب جس طرح کسی کی بدعملی دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ یہ سراسر ظلم ہے۔ اسی طرح کسی کی نیکی دوسرے کے دفتر میں جمع کرنا بھی ظلم ہے یہ بھی ایک ظلم ہے کہ وارثین کا عمل مرنے والے کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ اور چونکہ انسان فطرتاً ظالم واقع ہوا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ یقیناً انسان بہت ظالم اور جاہل ہے۔

الاحزاب ۳۳ : ۷۲

وہ اپنی اس فطرت کے ناتے یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا معزوضہ خدا بھی ظالم ہو بے شک مصنوعی خدا تو ضرور ظالم ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ قطعاً ظلم نہیں فرماتا اور وہ ہرگز یہ ظلم نہ کرے گا کہ ایک کے عمل کا اجر دوسرے کے سپرد کردے۔

ہمارے علماء اگر اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ صرف گناہوں کا بوجھ تو دوسرا نہیں اٹھا سکتا

لیکن نیکیوں کا بار دوسروں کے سر ضرور منڈھا جا سکتا ہے۔ ان سے ہماری گذارش ہے کہ اگر آپکے پاس واقعتاً اتنی فالتو نیکیاں جمع ہو گئیں ہیں کہ آپ کے کراماً کاتبین بھی اس کے لکھنے سے عاجز آ گئے ہیں تو ان نیکیوں میں کچھ زندوں کا بھی حق ہونا چاہیئے۔ ہمارے نام کی بھی قرآن خوانی کر دیجئے۔ ہمارے نام کی فاتحہ دلوا دیجئے۔ ہمارے نام کی بھی نذر و نیاز دیجئے اگرچہ ہم کوئی ولی اور بزرگ نہیں ہیں۔ لیکن بقول غالب ع

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

تو ہم حلفیہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم بادہ خوار قطعاً نہیں ہیں بلکہ مسلم ہونے کے ناتے آپکے بھائی ضرور ہیں اور ولیوں بزرگوں سے زیادہ ثواب کے محتاج ہیں۔ للہ کچھ ہمارے لئے بھی ایصالِ ثواب کر دیجئے ہمیں کلی یقین ہے کہ آپ کسی زندہ کے نام ایصال نہ کریں گے۔ کیونکہ آپکے نزدیک زندہ انسان کسی کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا سکتا جتنا ایک مردہ پہنچا سکتا ہے۔ وہ تو زمین میں دفن ہونے کے بعد دنیا کی قسمتوں کا مالک بن جاتا ہے۔ روزی دینا اس کے قبضے میں، اولاد دینا اس کے قبضہ میں مصائب دور کرنا ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ رشوت کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیتا اسی لئے یہ تمام چکر چلائے گئے ہیں۔ اور ہم تو اس اللہ کے ماننے والے ہیں جو خود بھی رشوت نہیں لیتا۔ اور اپنے ماننے والوں کو بھی رشوت لینے اور دینے سے منع کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں یقین ہے کہ ایصالِ ثواب نامی رشوت یا نذر و نیاز نامی تحفہ آپ ہمیں ہرگز دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔

"قربان جائیے اس "اصل مولیٰ" کے اس نے ان تمام تاویلات کے تار پود اکھاڑ کر پھینک دیئے ہیں۔ ارشاد ہے

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ج

جس روز ایسا ہوگا۔ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے کئے ہوئے برے کاموں کو بھی

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ

۳۰، آل عمران

اور اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا کہ اس شخص کے اور اس روز کے درمیان میں دور دراز کی مسافت (حائل) ہوتی اور اللہ تعالیٰ تمکو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر۔ ۳ : ۳۰

اس آیت کریمہ میں عمل خیر اور عمل شر دونوں کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ صرف عمل بد کا وہ واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ انسان نے بذات خود جو عمل انجام دیئے ہیں خواہ وہ خیر ہوں یا شر انسان انکو وہاں موجود پائے گا۔ یعنی ایصال ثواب کے نام سے جو ھکر ملایا گیا ہے تو یہ عمل چکر ملانے والے کے کھاتے میں چکر کی حیثیت سے تو بیشک نظر آئے گا۔ لیکن جس مردے کی خاطر یہ پاپڑ بیلے گئے اس کے کھاتے میں اس عمل کا کوئی وجود نہ ہوگا۔ کیوں کہ جن افعال کا کسی کی ذات سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے کھاتے میں ہرگز درج نہ ہوں گے۔ کیوں کہ وہاں یہ اصول کارفرما ہوگا۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

۱۶۱، آل عمران

پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا عوض ملیگا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔ ۳ : ۱۶۱

یعنی جزا و سزا اور ثواب و عتاب یہ دونوں جزئے انسان کے اپنے ذاتی عمل پر موقوف ہیں۔ کیوں کہ اس جہان میں ہر انسان کو اپنے ذاتی افعال اور محنت کا صلہ ملنا ہے دوسرے کے عمل کا اجر کسی کو نہ دیا جائیگا۔ یہ معاوضہ اور مبادلہ کا عمل ہے۔ یہ ایک ایسی تجارت ہے جو مال بالمال کے بجائے اپنی محنت سعی پر موقوف ہے۔ بالالفاظ دیگر یہ عالم دنیا ایک کارخانہ ہے۔ جہاں کا ہر ہر فرد اپنی اپنی مزدوری اور کارکردگی میں لگا ہوا ہے۔ اور کارکردگی کا یہ عمل اس

وقت ختم ہوگا جب انسان کی آنکھ بند ہوگی۔ اب اس کی اجرت کا عمل شروع ہوگا۔ اگر بذات خود اس کی کارکردگی بہتر ہے تو اس کی اجرت بہتر ملے گی اور اگر کارکردگی غلط ہے تو اسکی سزا بھگتنی ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ بکر کی کارکردگی علی کے سپرد کر دی جائے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو جنت میں داخل کرنا بندوں کے اختیار میں آگیا ہے۔ کہ جسے چاہا ایصالِ ثواب کی کثرت سے داخل جنت کروا دیا۔ اور جسے چاہا ایصال نہ کر کے بھگتان بھگتنے کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کو ظالم بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ حالانکہ اس کا ارشاد تو یہ ہے کہ

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ — بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ النساء ۴۰ ۴:۴۰

وہاں یہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے اپنی محنت و مزدوری دوسرے کو تھما دے۔ بلکہ اپنے عزیز و اقارب اور اپنے دوست و احباب سے بھی دور بھاگے گا کہ کہیں وہ حصہ بٹانے کے لئے نہ آجائیں اور مطالبات شروع نہ کر دیں۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝	جس روز آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں،
وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ	اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے
وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ	بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص اپنی ہی حالت
مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ	میں سرگرداں ہوگا۔
شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝	

العبس ۳۴-۳۷ ۸۰ : ۳۴ ـ ۳۷

حتیٰ کہ انسان اپنی زوجۂ محترمہ سے دور بھاگے گا۔ کہ کہیں یہ حقِ زوجیت جتاتے ہوئے میری نیکیوں کا مطالبہ نہ شروع کر دے۔ اور ماں باپ سے بھی دور بھاگے گا کہیں پرورش اور تربیت کے صلہ کا مطالبہ نہ کر دیں۔ کہیں ماں یہ دعویٰ نہ کر بیٹھے کہ اگر تو نے مجھے اپنے اعمال کا ثواب نہ دیا تو میں دودھ نہ بخشوں گی۔ اور کہیں بیٹا اولاد ہونے کا حق جتانا نہ شروع کر دے

اور اگر ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے اور ان کی اجازت دے دی جائے تو پھر اس جہاں میں عدل و انصاف کے بجائے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کارفرما ہوگا۔ ثواب کے لین دین کے جواز کے باعث اللہ تعالیٰ کا اصولِ انصاف ختم ہوکر رہ جائے گا۔ اسی لئے اس جہاں میں یہ اصول متعین کیا گیا کہ ایک کا عمل دوسرے کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی کسی کا بار دوسرے پر ڈالا جائیگا۔ حتیٰ کہ کوئی مرد حقِ زوجیت جتاتے ہوئے عورت کا حق بھی نہ مار سکے گا۔ اور نہ عورت ناز و انداز دکھا کر یا ٹسوے بہا کر مرد سے کچھ حاصل کر سکے گی کیوں کہ اس جہاں کا اصول یہ ہے کہ۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۚ

۳۲ النساء

مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اللہ سے اسکے فضل کا سوال کرو۔

۴ : ۳۲

یعنی وہاں حصہ بٹائی کا عمل تو قطعاً نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم اس جہانِ فانی میں اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے رہے، اس کے سامنے گڑگڑاتے رہے۔ اور اس سے التجائیں کرتے رہے تو یہ ضرور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اجرت سے زیادہ تمہیں مزید انعام سے نوازدے یا گناہ معاف فرمادے یہ صرف اس کی جانب سے بخشش ہوگی اس طرح سے نہیں کہ دباؤ میں آکر دوسرے کی اجرت تمہیں دیدی جائے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کردیں گے اور اپنے

اَجۡرًا عَظِيۡمًا　　　　اپنے پاس سے اور اجر عظیم دیں گے۔

النساء ۴۰　　　　۴ : ۴۰

اس اجر عظیم کے حصول کا بھی ایک اصول ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جسے چاہا اجر عظیم عطا کر دیا۔ اور جسے چاہا محروم کر دیا۔ یہ انعام نہ طرف داری پر موقوف ہے اور نہ قرابت داری پر۔ نہ رشوت پر موقوف ہے۔ نہ نسب ناموں اور شجروں پر، نہ قومیت پر موقوف ہے۔ اور نہ وطنیت پر اس کے حصول کے لئے نذر و نیاز اور ایصال ثواب نامی رشوت کی بھی کوئی ضرورت نہیں اور نہ یہ وسیلوں اور واسطوں کی محتاج ہے۔ بلکہ اسکا ذریعہ اتنا آسان اور سہل ہے کہ جو شخص بھی چاہے گھر بیٹھے ان دنیاوی رسومات اور ہتھکنڈے کے بغیر یہ انعام حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ دیگیں چڑھانے کی ضرورت ہے نہ لوگوں کو جمع کرنے کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام اکرام ذہنی تبدیلی پر موقوف ہے اگر ذہن کے کسی گوشہ میں دنیاوی رسم و رواج، دکھاوا، ریاکاری اور دنیاوی طور طریقے بسے ہوئے ہیں، اور اسی کے پیش نظر یہ عمل انجام دیا جا رہا ہے تو اس کا مقام تو ردی کی ٹوکری ہے۔ انعام تو کجا۔

یہ انعام صرف اسی بات پر موقوف ہے کہ ان تمام ذہنی اور مصنوعی غلامیوں سے نجات حاصل کر کے ایک ذات واحد لاشریک کی غلامی اختیار کی جائے۔ ان تمام مصنوعی الہوں کو پاش پاش کر کے اُس الٰہ واحد کی غلامی کو قبول کیا جائے جو بھی عمل انجام دیا جائے صرف اسی کی رضا مقصود ہو تو، یہ اتنا آسان اور سہل اصول ہے کہ ہر فرد واحد گھر بیٹھے اور نذر و نیاز اور ایصالِ ثواب کا گھن چکر چلائے بغیر یہ انعام حاصل کر سکتا ہے۔

افسوس تو یہی ہے کہ ہم نے اصل طریقہ کار کے بجائے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کے لئے کچھ مصنوعی ہتھکنڈے اختیار کر لئے ہیں۔ اور شارٹ کٹ کے طور پر انہیں بنا

لیا ہے، اور پھر اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ ہمارے یہ خود ساختہ اصول ہمارے کام آجائیں گے، لیکن قرآن نے جو اصول دیا ہے وہ اسی کی زبانی سن لیجئے۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا

۴ النساء ۱۱۴

اور جو شخص یہ کام کریگا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے۔ سو ہم اسکو عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے، ۴: ۱۱۴

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰىؕ ۲۰-۲۱ اللیل

مگر صرف رب الاعلیٰ کی رضا کے لئے۔ اور وہ جلد ہی راضی ہوگا۔ ۹۲: ۲۰-۲۱

لیکن وہ عمل جو خالصتاً للہ نہ ہو، بلکہ دنیاداری، دکھاوا، رسم و رواج اور برادری کے دستوروں پر مبنی ہو، اور جس عمل میں یہ پیش نظر ہو کہ اگر ایسا نہ کیا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی لوگ کہیں گے کہ اتنا بھوکا ہے کہ مرنے والے کے لئے بھی کچھ نہ کر سکا۔ کم از کم ایک دیگ تو چڑھادی ہوتی۔ اس قسم کے تمام اعمال جو غیر اللہ کے لئے انجام دیئے جاتے ہیں وہ تو سراسر شرک ہیں۔ کیوں کہ بارگاہ الٰہی میں تو صرف وہی عمل قابل قبول ہوتا ہے جو خالص اس کی رضا کے لئے ہو

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ

البینہ ۵

اور ان کو تو حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی عبادت کریں

۹۸: ۵

اور جو عمل برادری، ریاکاری اور رسم و رواج کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے انجام دیا جائے وہ تو خالص شرک ہے اس کی قبولیت کا تو کیا سوال ہے؟ بلکہ از روئے قرآن تو ایسے شخص کی بخشش بھی نہ ہوگی۔

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کریگا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے

اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (المائدہ ۳۷) ۵: ۳۷

اگر کوئی شخص رضائے الٰہی کے اصول کو ترک کرکے اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر اپنے مصنوعی طریقے اختیار کرتے ہوئے نذر و نیاز، فرضی صدقہ و خیرات، ایصالِ ثواب، تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسیاں اور عرس نامی رشوتیں پیش کرنا چاہے گا تو وہ اس کے ہرگز کام نہ آئے گی۔

لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ وہ ان کو دیکر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں۔ تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جاویں گی، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ (۳۶ المائدہ) ۵: ۳۶

نہ وہاں کسی "زندہ پیر" یا مُردہ پیر کی سفارش کام آئے گی، نہ تاوان ادا کرکے چھٹکارا ملے گا۔ نہ کوئی "دستگیری" کرسکیگا، نہ مشکل کشائی نہ وہاں "غوثیت" کام آئے گی نہ "قطبیت" نہ وہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا سایہ ہوگا۔ اور نہ بھاگنے کے لئے کسی کا دامن ملے گا۔ اس لئے کہ سب ہی مادرزاد ننگے اٹھیں گے، قرآن صاف الفاظ میں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ تمام فریب کاریاں اور ہتھکنڈے ان دنیاوی حاکموں کے یہاں تو چل سکتے ہیں۔ لیکن بارگاہ الٰہی میں یہ سب بے کار ہیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ان لوگوں کی

طرف داری چل سکے گی۔ ۲:۴۸ ۴۸ البقرہ

اُس جہاں میں ہرگز یہ نہ دیکھا جائے گا کہ کس کس کے لئے صدقہ و خیرات کی گئی۔ کس کس کے لئے قرآن خوانیاں ہوئیں۔ کس کس کے لئے چنے پڑھے گئے۔ کس کے کتنے عرس کئے گئے۔ کس کے لئے فاتحہ خوانی ہوئی اور کس کے نام کی نیاز نما رشوت پیش کی گئی بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ صادق القول کون ہے، کس کا ظاہر و باطن ایک ہے، کس نے رضائے الٰہی کے لئے عمل انجام دیا ہے۔ اور وہ کون ہے جس نے ہمارے احکام کو دل و جان سے قبول کیا ہے۔ وہاں منافقت رواداری، دکھاوا، ریاکاری، رسم و رواج، تعلقات، قرابت داری اور نسب ناموں کا کوئی اصول قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادیں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے۔ ان کا سچا ہونا ان کے کام آوے گا۔ ۵: ۱۱۹ ۱۱۹ المائدہ

حتیٰ کہ کوئی ولی، کوئی غوث کوئی قطب، کوئی شہید، کوئی مہدی اور کوئی نبی کسی دوسرے فردِ واحد کے عمل کا جواب دہ نہ ہوگا۔ اور نہ کسی کا نامۂ اعمال دوسرے کے ہاتھ میں تھمایا جائیگا،

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ الانعام ۵۲

ان کا حساب ذرا بھی اے نبی آپکے متعلق نہیں اور آپکا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں۔ ۶: ۵۲

جب ایک کا حساب دوسرے سے نہ لیا جائیگا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وارثین و لواحقین کا عمل زبردستی مرنے والے کے سپرد کر دیا جائے، ہاں ان لواحقین سے یہ سوال ضرور ہوگا کہ ہم نے جن امور کا حکم نہ دیا تھا وہ تم نے دین میں کیوں داخل کئے۔

رشوت خوری، بے ایمانی اور غصب کی دولت کو صدقے کے نام سے کیوں نوازا زندوں کا حق مار کر مردوں کے کیوں سپرد کیا۔ بیوی بچوں کا حق کاٹ کر تم نے برادری کے مسٹنڈوں کا پیٹ کیوں بھرا۔ تمہیں رسم و رواج اور برادری کا تو اتنا خوف لاحق ہوا کہ تم نے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر لیا۔ لیکن خوفِ الٰہی نامی کسی شئے کا تصور بھی تمہارے ذہنوں میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ تمہیں تو یہ حکم دیا گیا تھا۔

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ — سو تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو

۱۷۵ آل عمران — ۳: ۱۷۵

تم نے ہمارے احکامات کے مقابلے میں بزرگوں، پیروں اور اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقے کو زیادہ پسند کیا۔ اور منع کرنے کے باوجود اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور ہر حکم الٰہی کے جواب میں یہی کہتے رہے۔

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ ۱۰۴ المائدہ — اسی پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے ۵: ۱۰۴

باوجودیکہ تمہارے سامنے ہمارا یہ فرمان موجود تھا۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ المائدہ ۱۰۴ — خواہ ان کے آباؤ اجداد ذرا بھی علم نہ رکھتے ہوں، اور نہ وہ ہدایت پر ہوں۔ ۵: ۱۰۴

لیکن یاد رکھیئے کہ اس بارگاہِ الٰہی میں پیر پرستی، آباء پرستی، رسم و رواج معاشرہ اور فیشن کا کوئی دستور نہیں بلکہ یہ تمام طریقے دین سے دور لے جانے والے ہیں۔ یہ اصول تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود اور الٰہ بنا لیا ہے۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ الفرقان ۴۳ — کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الٰہ بنا لیا ہے۔ ۲۵: ۴۳

حالانکہ آخرت کی کامیابی خواہش نفسانی کو ٹھکرانے پر موقوف ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝
النزعٰت ۴۰-۴۱

اور جو شخص اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈرے، اور نفس کو خواہشات سے روکے، تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔ ۷۹ : ۴۰ - ۴۱

یہ قاعدہ تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دنیا کو اپنا نصب العین تصور کر لیا ہے۔ اس قسم کے افراد کے نزدیک دین کی حقیقت ایک کھیل سے زیادہ نہیں جب کہ جہاں چاہا اسے اپنا لیا اور جب اور جہاں چاہا ترک کر دیا جس بات کو چاہا قبول کیا اور جس بات کو چاہا رد کر دیا۔ یہ طریقہ بعینہ وہی ہے جو یہود ان مدینہ نے اختیار کر رکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝
النساء ۱۵۰

ہم بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں۔ اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں۔ ۴ : ۱۵۰

لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں اعلان کرتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝
النساء ۱۵۱

یہ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۴ : ۱۵۱

یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی دین و مذہب نہیں جو چیز ان کی رسومات کے خلاف ہوتی ہے اس کی تاویلات شروع کر دیتے ہیں بلکہ پیروں کی فرضی داستانوں کے بل بوتے پر قرآن کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ان کی نظر میں قرآن کی چنداں کوئی حیثیت نہیں ہے یہ تو اس طبقہ کے لوگ ہیں جن سے دور رہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تلقین کی گئی

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ

لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

۷۰ الانعام

جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے۔ اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی اپنے کردار وعمل کے سبب اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو۔ اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے۔ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار وعمل کے سبب پھنس گئے اور ان کے لئے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب

۷۰ : ۶

یعنی اس طبقہ کا یہ طرز عمل خود ایک کسب ہے اور ایک محنت ہے۔ اور چونکہ ہم ہر ایک کی کمائی کا اسے اجر وصلہ ضرور دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اس کسب کا انہیں اجر ضرور دیا جائیگا۔ اور وہ اجر یہ ہوگا کہ کھولتے ہوئے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی۔ اور بھی مختلف قسم کے دردناک عذاب دیئے جائیں گے۔ اور یہ سب کچھ ان کے کسب کا نتیجہ ہوگا۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ کسی دستگیر "یا مشکل کشا" کی سفارش سے کام چل جائے گا۔ یا کسی کی ولایت یا قطبیت کام آجائے گی۔ یا صدقہ وخیرات اور ایصال ثواب نامی ٹیکسوں کی صورت میں معاوضہ ادا کیا جا سکیگا۔ تو یہ تخیل قطعاً باطل ہے۔ انہوں نے جو کسب کیا ہے جو محنت کی ہے جو عمل انجام دیا ہے جو فن کاری دکھائی اور فریب دہی کی ہے اس کی سزا سے انھیں کوئی چیز نہ بچا سکے گی۔ خواہ اس کے نام قرآن خوانیوں کے کتنے ہی ڈھیر سارے پارسل روانہ کئے

جائیں۔ خواہ صدقہ اور فاتحہ کے نام کی کتنی ہی دیگیں بلٹی کی جائیں۔ ان سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکیگا۔ کیوں کہ یہ اس کا کسب نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر انسان کا ذاتی کسب دیکھا جاتا ہے۔ اور جو صدقہ و خیرات کے نام سے برادری کے بڑے کنبوں کو دعوت کھلا رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور مومنین سے ایک کھلا فریب ہے۔ اور فریب کاری کا صلہ کبھی نہیں ملتا، بلکہ سزا ملا کرتی ہے

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ

یہ لوگ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں اور یہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور اسکا شعور بھی نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے، سو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا ہے۔ اور ان کے لئے جھوٹ بولنے کی وجہ سے دردناک عذاب ہے۔

البقرۃ ۹-۱۰ ۲ : ۹ - ۱۰

جو دولت ان فضولیات پر انہوں نے خرچ کی ہے۔ اگر یہی دولت کسی مستحق کو خاموشی سے دے دیتے تو وہ ان کے ضرور کام آتی۔ بلکہ اس کی دعائیں بھی لیتے تب ہم ضرور تسلیم کرتے کہ یہ عمل خالصتاً اللہ ہے۔ لیکن جو حضرات اس پر عمل کرتے ہیں وہ تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے

جہاں یہ ایصال ثواب، احکام قرآنیہ کا مذاق ہے وہاں یہ انسان کے خبث باطن کی بھی دلیل ہے۔ اس قسم کی حرکتوں کو باطنی کسب اور گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عمل اور کسب ہے اور اس کسب کی بھی جزا ملنی ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ۔

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔

الانعام ۱۲۰ ۶ : ۱۲۰

تجربہ اور مشاہدے سے یہ امر ثابت ہے کہ ہر شخص اپنے ہم جنس کی طرف لپکتا ہے وہ ہمہ وقت ذہنی اور عملی ہم آہنگی کا طلب گار رہتا ہے۔ جو شخص ذہنی یا عملی طور پر اس کا ہم خیال نہ ہو وہ اس سے دور بھاگتا ہے۔ اور خاص طور پر مجرم، گناہ گار، مشرک سرکش اور نافرمان کبھی کسی موحد، متقی اور صالح شخص کی دوستی گوارا نہیں کرتا۔ اسی لئے ہمیشہ سے یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ نیک نیک کا، بد بد کا، جاہل جاہل کا اور عالم عالم کا دوست ہوتا ہے۔ کوئی صاحب فہم اور دانا شخص کسی نادان کی دوستی گوارا نہ کریگا۔ یہ تعلق بھی ایک کسب ہے۔ ایک عمل ہے اور اس عمل پر بھی اچھی یا بری جزا ملتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۱۲۹ الانعام

اور اسی طرح ہم بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے۔ ان کے اعمال کے سبب

۱۲۹ : ۶

دنیا میں جتنے بھی تعلقات پائے جاتے ہیں یہ سب کسب پر موقوف ہیں اور ہر تعلق میں کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے۔ خواہ وہ غرض اچھی ہو یا بری۔ لیکن اس دنیا کا ہر فرد اپنی ہی دوڑ میں مصروف ہے۔ اور قیامت کے روز بھی انسان کے پیش نظر صرف اپنی ذات ہوگی۔ اس کا تمام جھگڑا صرف اپنی ذات کے لئے ہوگا۔ وہاں تو عزیز واقارب برادری، بھائی بندی اور تمام رشتے بھول جائے گا اپنے ہی کسب اور اپنے ہی عمل کے بارے میں بحث کریگا۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

۱۱۱ النحل

جس روز ہر شخص اپنی ہی طرف داری میں گفتگو کریگا (اور دوسرے کو نہ پوچھیگا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا

۱۶ : ۱۱۱

یہ آیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ ہر انسان کو اس روز صرف اپنے اعمال کی جوابدہی

کرنی ہوگی، اور وہاں جو کچھ بھی صلہ دیا جائیگا۔ اچھا یا برا، وہ ان کے اپنے ذاتی اعمال پر دیا جائیگا۔ دوسرے کے عمل کی جزا قطعاً کسی کو نہ دی جائے گی۔ مرنے والے کے لواحقین اس کے لئے جو کچھ کرتے ہیں اس کی اچھی یا بری جزا ان لواحقین کو تو مل سکتی ہے۔ مرنے والے کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

آخری جملہ "کہ ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔" یہ ایک قسم کا تائیدی جملہ ہے جو متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی سراسر ظلم ہے کہ کسی کی اجرت دوسرے کے سپرد کر دی جائے اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ کہ قرآن کوئی پڑھے اور صدقہ و خیرات کوئی کرے اور ثواب کوئی اور لے بھاگے۔

رہا یہ تخیل کہ ثواب دونوں کو ایک سا ملتا ہے اور ہم اپنی خوشی سے عمل کا ثواب اسے پہنچاتے ہیں تو یہ تخیل ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔

اوّل:۔ جب آپ نے اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے نام کر دیا اور خود اس سے دست بردار ہو گئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا اجر آپکو بھی ملے گا اس لئے کہ قاعدہ اور دستور تو یہ ہے کہ جو چیز آپ نے دوسرے کو دیدی وہ آپ کی ملکیت سے خارج ہو گئی اب اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ ایک خود فریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اب یہ اجر آپ کو اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ جیسے آپ نے اپنا عمل دیا ہے۔ اس سے اپنے عمل کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ بشرطیکہ آپ کا یہ ناجائز عمل اس کے اعمال نامہ میں لکھا بھی گیا ہو۔ پھر اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، وہ مُردہ واپس کرتا ہے یا نہیں، یہ آپ جانیں اور آپ کا مردہ جانتے۔ ہو سکتا ہے کہ اس آیتِ مذکورہ میں آپ کے اس جھگڑے کا ذکر ہو۔

دوئم:۔ ثواب نام ہے اس جزائے خیر کا جو اللہ کی جانب سے بندے کو دی جائے گی، جس طرح عذاب اس سزا کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کی کوتاہیوں کے باعث اسے دیگا

اور یہ دونوں امور اللہ کی ملکیت ہیں۔ وہی اس کا فیصلہ فرمائے گا کہ فلاں عمل پر ثواب دیا جائے یا نہیں اور اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ کو اس کا اجر بھی ملا ہے میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ چونکہ آپ نے یہ عمل دنیاوی غرض کی خاطر کیا ہے اور وہ بھی خلاف شرع لہٰذا آپ کو ثواب کے بجائے عذاب دیا جائے گا۔

سوئم :۔ ثواب جب آپ کی ملکیت نہیں کیوں کہ وہ تو اللہ کی ملکیت ہے اور جو شئے انسان کی ملکیت نہ ہو اسے دوسروں کو دینے یا نہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو شئے آپ کے قبضہ میں نہیں تو اس کی تقسیم چہ معنی دارد یہ تو اس قسم کا ہوائی تخیل ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر مجھے امریکہ کی حکومت مل گئی تو میں واشنگٹن کا علاقہ تجھے دیدوں گا۔ اگر آپ کی نظر میں یہ شخص احمق ہے تو آپ اس سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ اس لئے کہ امریکہ کی حکومت کا ملنا ممکن اور ثواب کا مالک بننا محال۔ وہ تو اسی وقت آپ اس کے مالک بن سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت آپکے سپرد کر کے مستعفی ہو جائے۔

چہارم :۔ اگر ثواب کو انسان کی ملکیت مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ عذاب بھی انسان کی ملکیت ہے۔ پھر تو تمام مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا، کہ اندھا بانٹے ریوڑیاں اور اپنوں اپنوں کو دے، اگر ہمارے علماء اس کا فتویٰ دیں تو آپ ہم سے قسم لے لیجئے کہ پھر ہم اس مسئلے پر کچھ نہ بولیں گے لیکن جب تک وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ثواب و عذاب ان کی ملکیت ہے اس وقت تک ہم انہیں ان کی غلطیوں سے آگاہ کرتے رہیں گے۔

عالم قیامت میں جب انسان اپنے تخیل کے خلاف اپنی بدکرداریاں اور اپنے خبث باطن کو دیکھے گا اور اپنا ہر عمل صاف نظر آئے گا لیکن اعمال نامے میں لواحقین کے بھیجے ہوئے ثواب کے بیرنگ پارسل یا بوگس چیک نظر نہ آئیں گے جو اس کے کام آسکیں۔ اس وقت کا نقشہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنیئے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ　　اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائیگا تو آپ مجرموں

مِنَّ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا

الکہف ۴۹

کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے۔ اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ قلم بند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا، نہ بڑا گناہ۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

۱۸ : ۴۹

اس کتاب یعنی نامۂ اعمال سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز باقی نہ بچے گی، لیکن اس کتاب میں صرف وہی امور تحریر ہوں گے۔ جو انسان نے بذات خود انجام دیتے ہوں۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا

الکہف ۴۹

اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔

۱۸ : ۴۹

گویا نامۂ اعمال میں کسی عمل کی موجودگی کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان نے اسے بذات خود انجام دیا ہو۔ اور جو اس نے خود انجام نہیں دیا۔ اس کتاب میں اسکا کوئی وجود نہ ہوگا خواہ پاک و ہند کا ہر نام نہاد مسلمان اس کی موجودگی کے لئے لاکھ جتن کرے سب بے سود ہے۔ اگر کسی کا کتاب اللہ پر ایمان ہے تو اس کے لئے یہ ایک آیت بھی بہت کافی ہے۔ لیکن جس کا کتاب اللہ سے زیادہ پیروں، فقیروں کی خود ساختہ کہانیوں پر ایمان ہو اس کے لئے تو پورا قرآن بھی کافی نہیں اور غالباً اسی لئے یہ عذر تراشا گیا ہے کہ قرآن کو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ یا قرآن کے الفاظ ظاہری اور باطنی دو معنی رکھتے ہیں اور باطنی معنی صرف مخصوص اشخاص ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اعمال کی جوابدہی اور اس کی جزا کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے

بیشتر مقامات پر اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی ہے۔ جسکا مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہ ظلم ہے کہ کسی کی نیکی تحریر نہ کی جائے، یا تحریر تو کی جائے لیکن اس پر کوئی اجر نہ دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی ظلم ہے کہ کلو کی نیکی نتھو کے کھاتے میں ڈال دی جائے، تو اگر کوئی شخص یہ تصور کرتا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم سے پاک ہے۔

سابقہ صفحات میں ابتک جتنی آیات پیش کی گئیں وہ سب عام ہیں۔ جو اعمالِ خیر اور اعمالِ شر دونوں کو شامل ہیں۔ اور قرآن کی تخصیص عقل یا روایات کے بل بوتے پر جائز نہیں۔ کیوں کہ اس سے قرآن کا نسخ لازم آتا ہے۔ بجائے اس کہ ہمارے علماء زبردستی ان آیات کی تاویل کریں۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان روایات کی تاویل کریں جو اس سلسلہ میں مروی ہیں۔ کیوں کہ راوی کتنا بھی معتبر کیوں نہ ہو وہ خطا و نسیان اور غلط فہمی سے پاک نہیں ہو سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ کی جانب یہ نقائص منسوب بھی نہیں کیے جا سکتے۔ جو شخص ان واضح آیات کے مقابلہ میں روایات اور بزرگوں کے اقوال کو ترجیح دیتا ہے تو گویا اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کی ایک عام انسان کے برابر بھی حیثیت نہیں۔ حالانکہ اس بات کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگرچہ زبانِ حال سے یہی بات ظاہر ہو رہی ہے۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ارشاد فرمایا تھا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ	اور انھیں جیسی اللہ کی قدر کرنی چاہیئے تھی
٦٧ الزمر	ویسی قدر نہیں کی۔ ۳۹ : ٦٧

لہٰذا اب بہتر صورت یہی ہے کہ ہمارے علماء اس دو رنگی کو چھوڑ کر قرآن کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اگر انھیں اللہ کا خیال نہیں تو کم از کم اپنے اصولِ فقہ کو تو ملحوظ خاطر رکھیں اگر ایصالِ ثواب اور قرآن خوانی کے بوگس چیک اور صدقات کی بٹیاں دوسرے کے کھاتے میں جمع ہو سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اسکا ذکر بھی ضرور فرماتے۔ بلکہ کوئی انسان بھی اپنے اعمال نامے کو دیکھ کر خائف نہ ہوتا۔ بلکہ پر امید ہوتا کہ پاکستانی تاجروں کی طرح ہمارا بھی

ایک مخفی کھاتہ فارن میں موجود ہے اور مطالبہ کرتا کہ صاحب ہیں وہ مخفی کھاتہ بھی دکھلیئے جس میں ان چیکوں وغیرہ کا اندراج ہے جو ہمارے لواحقین نے ہمارے نام بھیجے ہیں کہیں وہ فرشتوں نے غائب تو نہیں کر دیئے۔ اس کے بجائے وہ صرف اپنا نامۂ اعمال دیکھ کر گھبرا جائے گا۔ کیوں کہ وہاں کوئی دوسرا کھاتہ موجود نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ تو جگہ جگہ اپنے قانون کا برملا اعلان کرتا ہے اور بتاتا ہے۔

وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ العنکبوت ٦

اور جو شخص محنت کرتا ہے، وہ اپنے ہی (نفع) کے لیئے محنت کرتا ہے۔ ٦:٢٩

اب اگر کوئی اس قانون سے واقفیت ہی حاصل نہ کرنا چاہے، یا واقفیت حاصل ہونے کے باوجود اس سے بغاوت کرنا چاہے تو اس سے قانونِ الٰہی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی وہاں تو یہ دعوت دی جارہی ہے کہ تمہاری تمام کوشش، تمام محنت وسعی اور مجاہدہ تمہاری اپنی ذات کے کام آئے گا۔ اس کے برعکس یہاں سب کچھ اغیار کیلئے ہو رہا ہے۔ اور اپنی ذات کو سب بھلائے ہوئے ہیں حتیٰ کہ اپنی آنکھ کا پہاڑ بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی پہاڑ نظر آتا ہے۔

ہماری سستی اور کوتاہی کا یہ عالم ہے کہ خود تو کچھ کرنا نہیں چاہتے لیکن اس پر مطمئن ہیں کہ آخرت میں دوسروں کے ذریعے سب کچھ کیا کرایا مل جائے گا کہ نہ دنیا ہی ہاتھ سے جائے اور نہ آخرت حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طاقت کے مطابق ہی اس پہ بار ڈالا تھا۔ لیکن ہم نے یہ بار تو کاندھے سے اتار کر پھینکدیا۔ اور کچھ کیئے بغیر اس کے اجر کے طلبگار بن گئے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

اور ہم (تو) کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (پس جو کام بتلا رکھے ہیں سب آسان ہی ہیں) اور ہمارے

۶۲-المومنون پاس ایک دفتر ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا

حال) بتا دے گا۔ اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا

۶۲:۲۳

لیکن جب کتاب میں اسے کچھ بھی نہ ملے گا۔ کیوں کہ خود تو کچھ کیا نہ تھا۔ جو نظر آتا۔

اور دوسروں کا کیا ہوا اس میں درج نہ ہوگا تو کفِ افسوس ملے گا۔ اور بے ساختہ

کہے گا۔

یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ	ہائے کسی طرح مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا
اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا	اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ ہائے
کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَآ اَغْنٰی	کسی طرح موت ہی قصہ چکا دیتی۔ میرے کام
عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝	کچھ بھی میرا مال نہ آیا۔
۲۵-۲۸ الحاقہ	۶۹: ۲۵-۲۸

اس عدالت میں کسی انسان کے عمل کی جوابدہی قطعاً کسی دوسرے سے نہ کی جائیگی۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا	آپ فرما دیجیے کہ اگر ہم مجرم ہیں تو تم سے
نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ	ہماری جرائم کی بازپرس نہ ہوگی۔ اور ہم سے
۲۵ سبا	تمہارے اعمال کی بازپرس نہ ہوگی۔ ۳۴: ۲۵

وہاں انسان صرف اپنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔ خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا شر،

انسان کو صرف اسی کے اعمال کی جزا ملے گی۔ کسی کے عمل کا دوسرے کے عمل سے کوئی واسطہ

نہ ہوگا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے۔

فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ	تو (بس آخری بات) یہ کہہ دیجیے (اچھا صاحب)
اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ	میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہیں
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝	ملے گا۔ تم میرے عمل سے بیزار ہو اور میں تمہارے
۴۱ یونس	عمل سے بیزار ہوں۔ ۱۰: ۴۱

دارالبقا کا قانون تو یہ ہے کہ جس طرح ایک کا گناہ دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا اسی طرح کسی کا نیک عمل بھی دوسرے کے روزنامچہ میں تحریر نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں انسان کو جزا صرف اس کے اعمال کی ملے گی۔ دوسرا انسان خواہ کتنے بھی نیک عمل کر کے مرنے والوں کو سپلائی کرنا چاہے تو یہ سپلائی قطعاً ممکن نہیں۔ کیوں کہ عالم فنا اور عالم بقا میں مواصلات کا کوئی ذریعہ نہیں پایا جاتا۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (المومنون ۱۰۰)

اور ان لوگوں کے آگے ایک چیز کی آڑ ہے قیامت کے دن تک۔ ۲۳ : ۱۰۰

اس امر کو وہ لوگ بھی جانتے ہیں جو ایصال نامی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے وہ سماع موتی اور مردوں کی زندگی کے قائل ہیں۔ اور اسی لئے وہ انہیں وسیلہ ماننے پر مجبور ہیں۔ لیکن ان حضرات نے آج تک اس ذریعے سے جتنے ٹیلی گرام یا ٹیلیکس بھیجے ہیں کسی کا جواب نہیں آیا۔ پھر بھی بدعقلی کی انتہا ہے کہ ہر روز ہزار ہا ایسے پیغام بھیجے جا رہے ہیں کہ شاید کسی وقت کوئی جواب آجائے۔ لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ عالم بالا سے جواب تو پندرہ سو سال قبل آچکا تھا۔ اور اعلان کیا جا چکا تھا۔

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

اور تم کو اس کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ ۳۷ : ۳۹

۳۹۔ الصفت

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کے علاوہ کسی اور کے عمل کی جزا قطعاً نہ ملے گی۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی مفروضہ تدابیر کیوں نہ کی جائیں۔ اس کا کسی صورت میں بھی امکان نہیں کہ کسی کے عمل کی جزا دوسرے کو دے دی جائے۔ کیوں کہ اس آیت میں اپنے ذاتی اعمال کی جزا کے علاوہ ہر قسم کی جزا کی نفی کر دی گئی ہے۔ اس کلیہ سے کسی قسم کا استثنا نہیں کیا گیا۔ لیکن اگر پھر بھی کسی کے

ذہن میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی تو ایسی صورت ہوگی کہ جس کے ذریعہ اعمال کی اسمگلنگ ممکن ہو۔ کوئی نہ کوئی تو چور دروازہ ہوگا جس کے ذریعہ یہ مصنوعی اور ناقص مال سپلائی کیا جا سکے۔ اور اس طرح عالم بالا کے مالک کو دھوکا دیا جا سکے۔ لیکن اس نے اول ہی سے یہ شرط لگادی ہے کہ

إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۔ التحریم ۷ : ۶۶ ، ۷

بس تم کو تو اس کی جزا مل رہی ہے جو کچھ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

گویا اپنے ذاتی اعمال اور اپنے ذاتی مال کے علاوہ دوسرے کے مال و عمل کا کوئی معاوضہ ادا نہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ عربی زبان میں اِنَّمَا حصر کے لئے آتا ہے جس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بیان کردہ صورت کے علاوہ اور صورت قطعاً ممکن نہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو یہ آیت ملاحظہ فرمائیے۔

أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۔ الکہف ۱۱۰

یقیناً تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ ۱۸ : ۱۱۰

یعنی ایک ذات واحد کے علاوہ کسی اور الٰہ کا وجود ممکن نہیں نیز ارشاد ہے۔

إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ ۱۱۰ - الکہف

یقیناً میں تو تم جیسا ہی بشر ہوں ۱۸ : ۱۱۰

یعنی یہ محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشریت کے علاوہ کسی اور مخلوق سے تعلق رکھتے ہوں اور اس طرح آپ بشریت سے خارج ہوں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے علماء دیوبند بشریت کے مسئلہ میں اِنَّمَا کے لفظ پر پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن ایصال ثواب کے معاملے میں انہوں نے یہ زندہ مکھی کتنے مزے کے ساتھ نگل لی ہے۔ اور پھر کسی نے قے تک بھی نہ کی۔

اگر یہ لاعلمی کی وجہ سے ہے یا اس سبب سے ہے کہ ان کا ذہن اس جانب متوجہ نہیں ہوا تو ہم اور ایسی متعدد آیات پیش کر رہے ہیں جن میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ

جنت صرف اپنے اعمال کی بدولت ملے گی۔ ارشاد ہے۔[۵۵]

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ٥

اور ان سے کہا جاویگا، یہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے۔ اپنے (نیک) اعمال کے عوض میں۔ ۴۳ : ۷۲

۴۳، الزخرف

یعنی جنت کی وراثت انسان کے اپنے عمل پر موقوف ہوگی۔ یہ نہ ہوگا کہ عمل تو کوئی کرے اور ثوابوں کے غیر قانونی مختارنامہ کی بناء پر قبضہ کوئی اور جما کر بیٹھ جائے۔ وہاں ناجائز قبضے کا کوئی چکر نہ ہوگا۔ اور جنت میں جو نعمتیں میسر ہوں گی وہ صرف انسان کے اپنے اعمال پر موقوف ہوں گی۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ٥ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ٥

اپنے اعمال کے (نیک) صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ۷۷ : ۴۳،۴۴

۴۳،۴۴ المرسلات

یعنی جنت کی یہ لذتیں، یہ کھانے پینے کی اشیاء اور مشروبات بلا معاوضہ دستیاب نہ ہو سکیں گی۔ ان تمام چیزوں کا معاوضہ انسان کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ یہ جو کچھ تمہیں عطا کیا جا رہا ہے۔ بطور معاوضہ عطا کیا جا رہا ہے۔ ہاں تمہاری خوبی یہ ہے کہ تم نے نیک اور اچھا عمل پیش کیا اور ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم نیک عمل کرنے والوں کو اچھا صلہ دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ ذہن نشین رہے کہ یہ جنت صرف تمہارے ذاتی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس میں کسی اور کے عمل یا کردار کا کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم نیک صلہ نیکی کرنے والے کو دیتے ہیں۔ اسکا صلہ دوسروں کو نہیں دیا کرتے۔ ہمارے یہاں یہ قطعاً نہیں ہوتا کہ ایصال ثواب کے نام پر دعوت کوئی کرے اور ثواب مردہ لے بھاگے، قرآن کوئی پڑھے اور نام کسی کے لکھا جائے یہ احمقانہ اور زمیندارانہ سسٹم دنیا میں تو کارفرما ہو سکتا ہے۔ لیکن ہماری عدالت میں یہ سسٹم قطعاً نہیں چل سکتا۔

اس امر کی سورۃ رحمٰن میں دوسرے الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے کہ جنت اور اہل جنت کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ — بھلا عنایتِ اطاعت کا بدلہ بجز عنایت کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ ۵۵ : ۶۰

۵۵۔ الرحمٰن

یعنی انسان نے دنیا میں جو نیکی اور بھلائی انجام دی ہے اس کا صلہ بھی بھلا اور نیک ہی دیا جائیگا لیکن جب کسی کی نیکی کا اجر دوسرے کو دے دیا جائے تو اسے بھلائی اور انصاف کون کہہ سکتا ہے؟ جو حضرات اس کے مُقِر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ظلم کی تہمت نافذ کر رہے ہیں۔ گویا وہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حاکم عدل کی عدالت بھی اندھیر گردی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیوں کہ یہ بھی یقینی بات ہے کہ جب وہ حاکم اعلیٰ کسی کی کارکردگی دوسرے کے سپرد کر کے اسے نواز سکتا ہے تو یقیناً ایک کا جرم بھی دوسرے پر ڈالتا ہوگا۔ اور اس کی چند ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یعنی اقربا نوازی، رشوت اور سفارش۔ اس میں سے کون سی وجہ پیش آتی ہے تو اتفاق سے جب ہم آجکل کے علماء کے خیالات کا اندازہ کرتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے دربار الٰہی میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے ....

سفارش کے لئے تو زندہ اور مردہ کروڑ ہا کی تعداد میں جمع کر لئے گئے ہیں۔ بلکہ جہاں کوئی مُردہ سفارشی بن گیا۔ اقربا نوازی کے لئے سادات اور حضرات حسنین کو ذریعہ بنا لیا گیا ہے اور رشوت کے لئے نذر و نیاز، ایصال اور فاتحہ نامی طریقے ایجاد کر لئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی چنگیزی قانون جاری کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ تو اپنا قانون یہ بیان کرتا ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ — آج تم کو تمہارے کیے کا بدلہ ملیگا۔

۴۵۔ الجاثیہ — ۴۵ : ۲۸

یہ اعلان اس روز کیا جائیگا جب فیصلہ کیا جائیگا۔ اس وقت ہم اپنے علماء سے دریافت کریں گے کہ کیوں صاحب وہ آپ کی قرآن خوانیاں اور ایصال کہاں چلے گئے۔ اس لئے کہ یہاں تو یہ اعلان

ہو رہا ہے کہ میاں صرف اپنے اپنے عمل دکھاؤ دوسروں کے عمل کو توردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا ہے۔ آپ جس بھروسہ پر دنیا کو دھوکہ دے رہے تھے۔ اور قرآن کو چھوڑ کر لوگوں کو رام لہایوں کی تلقین کر رہے تھے۔ اب یہاں کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟

صرف ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر اس نے اپنا یہ فیصلہ بیان کیا ہے۔

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ	اور تم کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ تم کرتے تھے۔
۹۰ النمل	۹۰ : ۲۷

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ	اور ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔
۱۴۷ - الاعراف	۱۴۷ : ۷

اگرچہ ان ہر دو آیات کا سیاق و سباق یہ بیان کر رہا ہے کہ ان دونوں آیات کا تعلق کفار سے ہے اور اسی لئے مترجم یعنی مولوی اشرف علی تھانوی نے ترجمہ میں لفظ سزا کا اضافہ کیا ہے۔

لیکن تمام فقہا کے نزدیک قرآن کا ہر حکم عام ہوتا ہے۔ اسے کسی طبقہ کے ساتھ اس وقت تک مخصوص نہیں کیا جا سکتا جب تک خود قرآن میں اسکا مخصص موجود نہ ہو۔ اور عربی لحاظ سے لفظ جزا عام ہے۔ جو جزا اور سزا دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ تصور کرتا ہے کہ چونکہ یہاں کفار اور ان کے گناہوں کی سزا کا ذکر ہے۔ اس لئے اس حکم میں نیک اعمال داخل نہیں ہو سکتے تو اس سے عرض ہے کہ ان کو سابقہ آیات میں ایسی آیات بھی متعدد مل جائیں گی جن میں اہل جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہاں بھی شرط نافذ کی گئی ہے۔ اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایک جگہ شرط کو باقی رکھا جائے اور دوسری جگہ شرط کو باطل قرار دے دیا جائے کیوں کہ اگر شرط کو باطل قرار دے دیا گیا تو جنت اور اس کی نعمتیں ایک مہمل شے قرار پائیں گی۔ اس لئے کہ یہ تو مسلمہ اصول ہے **اذا فات الشرط فات المشروط**. جب شرط

کا وجود ختم ہوگا تو مشروط خود ختم ہوجائیگا۔ اس طرح جنّت کا کوئی وجود باقی نہ رہیگا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ہمارے مُلّا اپنی حماقتوں سے ہمیں کس منزل تک پہونچاتے ہیں۔

اگر تاویل پرست علماء کا ذہن ہماری بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی مرحمت فرما دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ عالم الغیب خود جانتا ہے کہ اس امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احبار و رہبان کسی حال میں بھی یہود اور نصرانی احبار و رہبان سے کم نہیں اور یہ یہودیوں کے نقش قدم پر چل کر رہیں گے اسی لئے اس نے متعدد مقامات پر عمل کے ذکر کے ساتھ لفظ حسن اور احسن کا بھی اضافہ کیا ہے اور اس طرح ان یاوہ گوؤں کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے فرماتا ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۱۲۱ التوبہ — تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔ ۹ : ۱۲۱

یہاں یہ لفظ احسن اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس آیت میں عمل صالح کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے نہ کہ عمل بد کی جزا کا بلکہ اسی لئے ہم نے کسی آیت قرآنیہ کا ترجمہ اپنا تحریر نہیں کیا۔ بلکہ مولوی اشرف علی تھانوی کا ترجمہ پیش کیا۔ تاکہ ہمارا مولوی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم نے ترجمہ غلط پیش کیا ہے۔ کیوں کہ ہمیں روئے زمین پر مُلّا سے زیادہ کسی چیز کا خوف محسوس نہیں ہوتا بلکہ انھیں دیکھ کر بیہقی کی یہ حدیث نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔

سیاتی علی الناس زمان لا یبقی	عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا
من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من	کہ اسلام کا صرف نام ہی نام باقی رہ جائے گا
القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ	اور قرآن میں اس کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے
وھی خراب من الھدی علماءھم	گا۔ کہ اس کے نشانات یعنی تحریراً باقی رہ
شر من تحت ادیم السماء تخرج منہم	جائیگا۔ بظاہر تو مساجد تعمیر شدہ موجود ہونگی

الفتنۃ وفیہم تعود ۔ لیکن ہدایت سے ویران ہوں گی ان لوگوں کے علماء آسماں کے نیچے سب سے زیادہ شریر ہوں گے۔ انہی سے فتنے اٹھیں گے اور انہیں پر لوٹ جائیں گے۔

ہمارے اس کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ تمام علماء فتنہ و شر میں مبتلا ہیں۔ کیوں کہ یہ تو قانون الٰہی ہے کہ ہر شر کے ساتھ خیر کا وجود ضرور رہتا ہے۔ لہٰذا ابھی یہ جہان علماء خیر سے خالی نہیں ہوا۔ اگرچہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اور چوں کہ دنیا کی فریب کاریوں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ اس لیئے ان کے نام کا ڈنکا بھی نہیں پٹتا۔ لیکن موجودہ دور میں اکثریت دوکانداروں کی ہے جنھوں نے مساجد اور مدارس کو کھلی بازار بنا دیا ہے۔

سورت النور میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط ۳۸ النور

یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیگا۔ (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ ۲۴ : ۳۸

یہ بھی اچھے اعمال کی جزا کا ذکر ہے نہ کہ اعمالِ بد کی جزا کا۔ کہ ہم لوگوں کے اچھے اعمال کی اچھی جزا دیں گے، یہاں بھی یہ جزا عمل کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹۷ النحل

اور ہم (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کو اجر دیں گے۔ ۱۶ : ۹۷

بلکہ بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر اور جزائے شر دونوں کا ایک ساتھ تذکرہ کر کے ان تاویل پرستوں کا ہمیشہ کے لئے منہ بند کر دیا تاکہ کوئی اندھی تقلید کا ذہنی مریض لفظ جزا اور اجر سے کسی قسم کا دنیا کو دھوکہ نہ دے سکے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد نیک اعمال کی جزا نہیں بلکہ

بُرے اَعمال کی جزا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا جو قرآن پر ہر وقت آرہ چلاتے رہتے ہیں ہمیشہ کیلئے منہ بند کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝

انجام کار یہ ہے کہ برا کام کرنے والوں کو ان کے کام کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دیگا۔ اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض میں جزا دیگا۔

۳۱۔ النجم ۳۱:۵۳

ایک مقام پر وضاحت فرماتے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ

جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے۔

الجاثیہ۔ ۱۵ ۱۵:۴۵

بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کا یہ چکر بھی اسی لئے چلایا کہ دیکھیں انسان کس قسم کے اعمال انجام دیتا ہے تاکہ اس کے عمل کے مطابق اسے معاوضہ دیا جاسکے۔ سورۂ ملک میں موت وحیات کے اس چکر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ

جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے

۲ الملک ۲:۶۷

کافروں کو بھی جو سزا ملے گی وہ انہیں کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ نہ کہ کسی اور کے عمل کا۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ

بس آج تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ سے ذلیل کن عذاب دیا جائیگا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ

۴۶ : ۲۰ الاحقاف ۲۰

نیز ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ (نفاق و خلاف) کرتے تھے۔

۱۰ : ۸ ۸۔یونس

قیامت کے روز کفار اپنے اعمال بد کو دیکھ کر گھبرائیں گے، قرآن اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ

آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے ان اعمال سے ڈرتے ہوں گے جن میں وہ مبتلا تھے۔

۴۲ : ۲۲ ۲۲۔الشوریٰ

دنیا میں تو یہ لوگ بہت خوش مزاج تھے۔ بات بے بات قہقہے لگاتے تھے۔ کسی کا مذاق اڑانے سے انھیں گریز نہ تھا بلکہ غریب و نادار کو رلانے میں انھیں مزا آتا تھا۔ ان کی آنکھوں سے خوفِ الٰہی کے سبب ان کا ایک آنسو بھی نہ گرا تھا، لیکن اس جہان میں ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا جائیگا۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

۸۲۔التوبہ

سو تھوڑے دنوں (دنیا میں) ہنس لیں اور بہت دنوں (آخرت میں) روتے رہیں۔ ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ کیا کرتے تھے۔ ۹ : ۸۲

بلکہ جب جہنم میں داخل کیا جائیگا تو از روئے تمسخر ان کے اعمال کا مذاق اڑایا جائیگا۔

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ

اپنے اعمال کی بدولت ابدی عذاب کا مزہ چکھو ! ۳۲ : ۱۴

تَعْمَلُوْنَ ٥

۱۴- السجدہ

نتیجہ یہ ظاہر ہے کہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد سب کو اپنے اپنے اعمال کی جزا ملنی ہے۔ دوسروں کے اعمال سے کسی کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ جس طرح ایصالِ عذاب سے کسی کو سزا نہیں مل سکتی۔ اسی طرح ایصالِ ثواب سے کسی کے اجر میں اضافہ نہیں ہو سکتا ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥

اس میں داخل ہو، پھر خواہ سہار کرنا یا سہار نہ کرنا تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائیگا

۱۶- الطور ۱۶:۵۲

نیز نفسِ جزاء کے معاملہ میں کوئی امت، کوئی طبقہ کوئی قوم اور کوئی فرد ایسا نہ ہوگا جس کے روبرو اس کا اپنا اعمال نامہ نہ ہو اور ہر ایک کو اسی کے اعمال کی جزا نہ دی جائے

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

اور اس روز آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (مارے خوف کے) زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائیگا آج تم کو تمہارے کام کا بدلہ ملے گا ۲۸:۴۵

۲۸ الجاثیہ

وہاں ہر انسان صرف اپنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔ خواہ وہ اعمالِ خیر ہو یا اعمالِ شر، ہر انسان کو صرف اسی کے اعمال کی جزا ملے گی۔ کسی شخص کا دوسرے کے عمل سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا

آپ فرما دیجئے میرا عمل میرے کام آئیگا اور تمہارے عمل تمہارے کام آئیں گے

بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ　　تم میرے عمل سے بیزار ہو۔ اور میں تمہارے

۴۱ - یونس　　عمل سے بیزار ہوں۔　۱۰ ، ۴۱

اور جب ایک کا عمل دوسرے کے کام نہ آئے گا تو کسی کے عمل کا ثواب اور اجر کسی اور کو کیسے بخشا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ثواب تو نام ہے اس جزائے خیر کا جو عمل کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ اور وہ اول تو انسان کے قبضہ میں نہیں۔ پھر اگر قبضہ میں بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر جزا کا ذکر کیا ہے۔ اور اسے انسان کے اپنے عمل کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہی ہے کہ غیر کے اجر کی نفی کی جائے۔ کیوں کہ زمانۂ جاہلیت کے عرب بھی مرنے والے کے لئے اونٹ قربان کرتے اور لوگوں کو کھانے کھلایا کرتے تھے۔ پورا قرآن اسی کی نفی کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمروؓ بن عاص کا باپ جب مرا تو عمروؓ بن عاص اور ان کے بھائی نے باپ کے ایصال کے لئے دو سو اونٹ قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جسے عمروؓ بن عاص کے بھائی نے تو پورا کر دیا تھا اور عمرو بن عاص ایمان لانے تک اسے پورا نہ کر سکے تو عمروؓ بن العاص نے حضور سے دریافت کیا کہ کیا میرے باپ کو کوئی چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے۔؟ آپ نے فرمایا جب اس نے توحید کا اقرار ہی نہیں کیا۔ تو اس کے لئے اب فائدے کا کیا سوال۔

اِنسان سے صرف اُسی کے عمل کا سوال ہوگا

قیامت کے روز یہ سوال قطعاً نہ ہوگا کہ تم نے مرنے والوں کے لئے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟ کتنی دیگیں چڑھائیں؟ کتنے قرآن ختم کئے یا کرائے؟ کتنے عرس کئے اور کتنی برسیاں منائیں۔ کتنی نیازیں دیں اور کتنی سبیلیں لگائیں؟ اور نہ مرنے والوں سے یہ سوال ہوگا۔ کہ تمہارے لواحقین نے تمہارے نام سے کیا کیا فریب کھیلے اور کس کس طرح اسلام کا مذاق اڑایا ہے۔؟ وہ دفاتر کہاں ہیں جو تمہارے لواحقین نے تمہارے نام بلیک کئے تھے۔؟ بلکہ وہاں صرف یہ سوال ہوگا کہ تم نے اپنی ذات کے لئے کیا کارنامہ انجام دیا تھا۔ ہمارے وہ کون سے احکامات ہیں جن پر تم نے عمل کیا تھا؟ پھر تمہارے وہ عمل ہماری رضا کے لئے تھے یا نام و نمود کے لئے؟ اس عمل کی انجام دہی کے وقت تمہارے ذہنوں میں ہمارا خوف چھایا ہوا تھا یا برادری میں ناک کٹنے کا خوف تھا؟ پھر اگر یہ عمل ہماری رضا کے لئے تھا تو اس میں مال حلال استعمال کیا گیا تھا یا مالِ حرام؟ اگر مالِ حلال استعمال کیا گیا تھا تو اس سے غرض دعوت تھی یا صدقہ مقصود تھا؟ اگر صدقہ مقصود تھا تو پھر برادری کے ہٹوں کٹوں اور سرمایہ داروں کو کیوں کھلایا تھا؟ کیا صدقہ میں شرعی نقطہ نگاہ سے ان کا بھی کچھ حق تھا؟ اور کیا یہ ضروری تھا کہ صدقہ ڈھنڈورا پیٹ کر کیا جائے؟۔ یہ تمام امور اس کے ثبوت ہیں کہ ان تمام امور کا مقصد اسلام کی مخالفت کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اور اگر یہ مقصد نہ تھا تو تم انتہا درجہ کی خود فریبی میں مبتلا تھے۔

الغرض اس عدالت عالیہ میں جتنے بھی سوالات ہوں گے وہ انسان کے اپنے ذاتی عمل سے متعلق ہوں گے۔ ہاں لواحقین جو امور مردے کے لئے انجام دیتے ہیں خواہ وہ امور موافق شرع ہوں یا خلافِ شرع وہ کرنے والوں کے کھاتوں میں لکھے جائیں گے۔ اور انہی سے

ان کا سوال ہوگا۔ اگر وہ امور قابلِ اجر ہیں تو کرنے والوں کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر قابلِ سزا ہیں تو اس کی سزا بھی ملے گی۔ لیکن ان امور کا مردوں سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اور نہ ان سے اس کا سوال کیا جائیگا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
الحجر ۹۲-۹۳

سو آپ کے پروردگار کی قسم (یعنی اپنی) ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے۔
۱۵ : ۹۲-۹۳

نیز ارشاد ہے۔

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
النحل ۹۳

اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی۔
۱۶ : ۹۳

نہ صرف سوالات پر اکتفا ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں یہ امکان ہے کہ انسان "منافقت" اور "تقیہ" اختیار کرتے ہوئے اپنے اعمال اور تخیلات کو چھپا جائے یا سوالات کے جواب دینے سے گریز کرے۔ کیوں کہ مثل مشہور ہے کہ ایک چپ سو کو ہرائے بلکہ خود اللہ تعالےٰ بتائے گا کہ تم نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے تھے۔

ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
۲۳ یونس

پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے۔ (اور اس کی سزا دیں گے۔)
۱۰ : ۲۳

چوں کہ ہمیشہ فیصلہ عدالت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور عدالت ہی فرد جرم عائد کر کے سزا سناتی ہے۔ لہٰذا اس عدالت میں بھی یہی کچھ ہوگا۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ

بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ ١٦٠۔ الانعام — پھران کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے ٦: ١٦٠

اس عدالت میں حاضری بھی ضروری اور یہ بھی ضروری کہ انسان کی تمام حرکات بتادی جائیں۔ کیوں کہ انسان اپنا قصور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۔ القمان ٢٣ — ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے سو ہم جتلادیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ ٣١ : ٢٣

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ النور ٦٤ — اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو اور اللہ تعالیٰ اس دن کو بھی جانتا ہے جس میں جب اس کے پاس دوبارہ زندہ کر کے لائے جاؤ گے اور پھر وہ ان سب کو جتلا دیگا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ ٢٤ : ٦٤

اس "غالب علی کل غالب" نے ایک ایک بات کا پہلے سے جواب مہیا کر دیا ہے۔ اس نے ایک ایک جزیہ کو اتنی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ اب دیومالائی کہانیوں اور الف لیلائی داستانوں کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی۔ وہ جانتا ہے کہ میری اس مخلوق میں بھول کا مادہ بھی ہے۔ بلکہ بسا اوقات یہ تجاہل عارفانہ سے بھی کام لیتا ہے۔ اور اپنی بات منوانے کے لئے جھگڑنے کا بھی عادی ہے۔ لہٰذا ان امور کی جانب بھی ارشارہ کرتا اور کہتا ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۔ اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۔ ٦۔ المجادلہ — جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ زندہ کریگا پھر ان سب کا کیا ہوا ان کو بتلا دیگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے۔ اور یہ لوگ اس کو بھول گئے۔ ٥٨ : ٦

نیز ارشاد ہے

ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؕ

پھر ان سب کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتا دیگا

۷ - المجادلہ ۵۸ : ۷

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا ؕ

پھر ہم ان منکروں کو ان کے یہ سب اعمال ضرور بتلا دیں گے۔

۵۰ حم السجدہ ۴۱ : ۵۰

ایک جگہ اور ارشاد ہے۔

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ الزمر ۷

پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا سو وہ تم کو تمہارے اعمال جتلا دے گا ۳۹ : ۷

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

۱۵ لقمٰن ۳۱ : ۱۵

ان تمام آیات پر غور کیجئے تو ہر جگہ انسان کے اپنے عمل کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسروں کے انجام دیئے ہوئے افعال کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر ہم اس قسم کی تمام آیات پیش کریں تو وہ سیکڑوں سے متجاوز ہوں گی۔ لیکن تمام قرآن میں کوئی شخص ایک لفظ بھی ایسا نہیں دکھا سکتا جس میں دوسرے کے عمل کو کسی انسان سے منسوب کیا گیا ہو یا ان پر اجر کا کوئی سرسری سا بھی تذکرہ کیا گیا ہو۔

بلکہ کوئی شخص بھی تا قیامت قرآن سے ایک اشارہ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ اور ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے۔

اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ	اے لوگو اس چیز کی اتباع کرو، جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اولیاء کی اتباع نہ کرو
۳ - الاعراف	۷ : ۳

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ	اے نبی اس پر چلیے جو تمہارے پروردگار کی جانب سے وحی ہوتی ہے
الانعام - ۱۰۶	۶ : ۱۰۶

ایک مسلم ہونے کے ناطے ہمارا بنیادی عقیدہ تو یہ ہونا چاہئیے کہ جس چیز کی صراحت اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں فرما دی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آباؤ اجداد اور پیروں اور ولیوں کی اتباع کو گندی نالی میں پھینک دیں۔ یا پھر برملا اس کا دعویٰ کریں کہ ہمیں کتاب اللہ کے احکام قبول نہیں تاکہ ہم بھی یہ سوچ سکیں کہ تم سے کس قسم کا معاملہ کیا جائے وہ معاملہ جو مسلموں کے ساتھ ہوتا ہے یا وہ معاملہ جو غیر مسلموں کیساتھ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے کسی عمل سے غافل نہیں

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میری اس تخلیق کی فطرت کیا ہے، وہ اس سے بھی واقف ہے کہ انسان اپنی غلطی کو کبھی خوشی سے قبول نہیں کرتا۔ یہ انتہا سے زیادہ جاہل بھی ہے۔ اور اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ اس میں جھوٹ، بد عہدی اور منافقت کا مادّہ بھرا ہوا ہے۔ یہ اپنی بات سے مکرنا بھی خوب جانتا ہے اور دوسروں کو جھٹلانا بھی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے ساتھ ساتھ ان تمام راہوں کا سدِ باب فرمایا جن کے ذریعہ انسان راہ فرار اختیار کر سکے، اس نے وہ تمام چور دروازے بند کر دیئے جن سے انسان بھاگنے کی کوشش کر سکتا ہے. اس لئے کہ انسان کی ایک فطرت یہ بھی ہے کہ یہ اپنی ذات پر آنچ نہیں آنے دیتا. اور ہمیشہ دوسروں کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے. یہی وجہ ہے کہ اسے دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے. لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا.

اللہ تعالیٰ نے ان چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جن میں سے ہم چند ذیل میں پیش کرتے ہیں.

اول - انسانی ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ہر عمل سے واقف ہے. وہ اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھتا اور جانتا ہے انسان کا کوئی ظاہری اور باطنی عمل ایسا نہیں جو اللہ کے احاطۂ علم سے باہر ہو. پورا قرآن اسی محور پر گھوم رہا ہے. ارشاد ہے.

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥	اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے، خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ ۵۷ : ۴
الحدید ۴	

سورۃ محمد میں ارشاد ہے۔

وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ	اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کریگا.
۳۵ محمد	۳۵، ۴۷

سورۃ یونس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ	پھر (سب کو معلوم ہے) کہ اللہ ان سب کے

مَا يَفْعَلُوْنَ ○
اعمال کی اطلاع رکھتا ہے۔

۳۶۔یونس
۱۰ : ۳۶

اسی سورت میں ارشاد ہے۔

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○
ہم دیکھ لیں گے کہ تم کس طرح کے کام کرتے ہو۔

۱۴ یونس
۱۰ : ۱۴

سورۃ ہود میں ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۲۳۔ہود
اور آپکا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں ہے، جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔

۱۱ : ۱۲۳

سورۃ انعام میں فرماتے ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○ الانعام۔ ۱۳۲
اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔

۶ : ۱۳۲

سورۃ النحل میں ارشاد ہے۔

بَلٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○
کیوں نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

۲۸ النحل
۱۶ : ۲۸

المائدہ میں فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○
بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

المائدہ۔ ۸
۵ : ۸

التغابن میں ارشاد ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝	اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔
التغابن ۸	۶۴ ، ۸

سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	اور اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے عمل سے بے خبر نہ جاننا
ابراہیم ۔ ۴۲	۱۴ ، ۴۲

نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال سے باخبر ہے۔ انسان کے ایک ایک لمحہ کی اسے اطلاع ہے۔ بلکہ وہ انسان کے اعمال کو خود بھی دیکھ رہا ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مخبر نے آپ کو غلط اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝	اور اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے
آل عمران ۱۶۲	۳ ، ۱۶۲

سورۃ التغابن میں ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝	اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے
التغابن ۔ ۲	۶۴ ، ۲

الغرض قرآن اس قسم کے جملوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہر جملہ میں انسان کے عمل ہی کو مقصود بالذات قرار دیا گیا ہے۔ کسی مقام پر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ وارثین و متعلقین تمہارے نام جو ایصال کرتے ہیں ہم اس سے بھی واقف ہیں اور جب اس قسم کا کوئی جملہ نہیں پایا جاتا تو یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ کہ اس فرضی ایصال کا کوئی وجود نہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناواقف اور غافل ہے۔ یہ دوسری صورت جہاں انسان کو کفر تک پہنچاتی ہے وہاں اس سے یہ خود ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے اعمال کا کوئی صلہ نہ ملے گا کیونکہ

اللہ تعالیٰ تو اسی شئے کا صلہ دیگا جس سے واقف ہو۔ اور جس شئے سے وہ واقف نہ ہو اسکا صلہ کیسے ملیگا اور ایسا خدا جو جملہ امور سے واقف نہ ہو وہ مجوسیوں اور شیعوں کا خدا ہے اسی لئے وہ لفظ خدا استعمال کرتے ہیں جو ایک بھنگی کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر شئے سے واقف اور باخبر ہے۔ وہ تو اتنا صاحب علم ہے کہ دل کے پنہاں رازوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

التغابن۔۴

اور اللہ دلوں تک کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ ۶۴: ۴

نہ صرف واقف بلکہ روز قیامت ان کا محاسبہ بھی فرمائے گا۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ

۲۸۴۔البقرہ

اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا مخفی رکھوگے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔ ۲۸۴: ۲

دوم۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ نگراں بھی متعین کر دیئے ہیں کہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ انسان کیا کیا افعال انجام دے رہا ہے۔ گویا ہر انسان کے ساتھ جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ انسان کہیں حکومتِ الٰہیہ کے خلاف بغاوت اور سازش میں تو مصروف نہیں۔ کیوں کہ یہ سیاسی دھڑے بندیوں کا ماہر ہے۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ ۱۸ق

وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا ۵۰: ۱۸

حکومتِ الٰہیہ کے ان جاسوسوں کو کراماً کاتبین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ انسان کے ذاتی اعمال تحریر کرتے ہیں۔ ارسال کردہ نہیں۔

کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا

معزز لکھنے والے جانتے ہیں جو تم کرتے

تَفْعَلُوْنَ ٥ ۔ الانفطار۔ ۱۱-۱۲ ہو۔ ۸۲ : ۱۱-۱۲

سوئم:۔ ان جاسوسوں کے ذمہ جہاں انسانوں کی نگرانی سپرد کی گئی ہے۔ وہاں ان کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ انسان کے ہر ہر عمل کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے تاکہ وہ پوری تحریر مجرم کے سامنے پیش کر کے اس سے محاسبہ کیا جا سکے۔

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ٥

المومنون ۶۲

اور ہمارے پاس ایک ایسی تحریر ہے جو سچ بولتی ہے۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ ۲۳ : ۶۲

اس میں جو بات بھی تحریر کی جائے گی وہ حقیقت پر مبنی ہوگی۔ کیوں کہ ہمارے، جاسوسوں میں جھوٹ کا مادہ نہیں پایا جاتا۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

الجاثیہ ۲۹

(یہ نامۂ اعمال) ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ اور ہم (دنیا میں) تمہارے اعمال کو (فرشتوں سے) لکھواتے جاتے ہیں۔ ۴۵ : ۲۹

۴۔ ان تمام انتظامات کے باوجود ممکن ہے کہ انسان ان تمام شہادتوں کو اپنی فطرت کے مطابق جھٹلا وے اور قرآن سے یہ ثابت بھی ہوتا ہے کہ قیامت کے روز انسان اپنی بدعملی سے صاف مکر جائے گا۔ بلکہ اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔ تاکہ یہ چور دروازہ بھی بند ہو جائے ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے

یٰسین ۶۵ — جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ۳۶ : ۶۵

ایک اور مقام پر ارشاد ہے ۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ	جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں
اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ	گواہی دیں گی، اور ان کے ہاتھ ہم سے
وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا	کلام کریں گے۔ اور ان کے پاؤں بھی شہادت
كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○	دیں گے۔ ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کرتے تھے

النور ۲۴ — ۲۴ : ۲۴

یہ تمام آیاتِ کریمہ آخر کس بات کی شہادت دے رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ہر آیت میں یہی ثابت کیا جا رہا ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے ذاتی اعمال کی جزا ملے گی اور دوسرے کے اعمال نہ اس کے دفتر میں لکھے جائیں گے اور نہ ان کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے عمل کو مختلف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ کبھی اس کیلئے لفظ "عمل" استعمال کیا گیا ہے۔ کبھی لفظ "فعل" اور کبھی لفظ "کسب" اب تک ہم نے جو آیات پیش کی ہیں ان میں بیشتر مقامات پر یہی تینوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اب ہم قارئین کو ان آیات کی جانب توجہ دلانا چاہتے ہیں جن میں لفظ "سعی" استعمال کیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ	اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی
اِلَّا مَا سَعٰی ○ وَاَنَّ	اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے
سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی	گی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائیگا۔
ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ	۵۳ : ۳۹ - ۴۱
الْاَوْفٰی ○	

۳۹ تا ۴۱ النجم

پہلی آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان کو اپنی ذاتی سعی کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔ اور

چوں کہ ایصالِ ثواب کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان کا مرنے والے کی سعی سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ان چیزوں کا مرنے والے کو ہرگز اجر نہ ملے گا دوسری آیت میں یہ وضاحت بھی کی جارہی ہے کہ وہاں انسان کو صرف اپنی سعی نظر آئے گی۔ اور اسکا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اب صرف ایک امکانی صورت ایسی باقی رہ جاتی ہے جس سے مرنے کے بعد بھی انسان کو اس کے عمل کا اجر مل سکے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے کارِ خیر کی بنیاد رکھے جس کا سلسلہ بعد میں بھی قائم رہے تو یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔ جسکا اسے اجر ملتا رہیگا یا کسی بات کی وصیت یا کارِ خیر کا حکم کرکے مرے، اور اپنی جانب سے اس کا بندوبست بھی کر ے تو چوں کہ یہ مرنے والے کی سعی ہے۔ اس لحاظ سے اسے اجر ملے گا گویا مرنے والا ایک موکل کی طرح ہے بعد میں جو اس کام کو پورا کررہا ہے اس کی حیثیت ایک وکیل کی ہے۔ اور وکیل کا فرض ہے کہ موکل نے جو خدمت اسے سپرد کی ہے وہ اسے انجام دے اس لحاظ سے یہ عمل موکل کے دفتر میں لکھا جائیگا۔ اور چوں کہ وکیل اس کی تکمیل کا ذریعہ بنا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اپنی سعی کا اجر حاصل کرے گا جیسا کہ کسی کی جانب سے حج کرنا یا، مرنے والے کی وصیت سے مدرسہ یا مسجد بنانا لیکن اگر مرنے والے کا اس عمل میں کوئی دخل نہیں تو وہ عمل وارث کے دفتر میں تو لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن مرنے والے کے کھاتے سے اس کا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا، پورا قرآن اسی شہادت سے پر ہے۔

اتفاق سے تائید میں پیش کی جانے والی احادیث میں جتنی بھی صورتیں مروی ہیں ان میں مرنے والے کے عمل کا کچھ نہ کچھ دخل موجود ہے۔ لیکن علماء نے تقلید پرستی کے مرض میں مبتلا ہوکر انھیں ہر صورت کے لئے ایک کلیہ تصور کرلیا۔ اور قرآن کی تاویلات شروع کردیں۔ اگر وہ احادیث کی چھان بین کرتے اور راویوں کے تمام اختلافی الفاظ کو جمع کرکے دیکھتے تو یہ حقیقت خود بخود ان پر واضح ہوجاتی۔ انشاء اللہ ہم اس کی تفصیل احادیث کے باب میں پیش کریں گے الیکن جنکا مطمح نظر یہ ہو کہ ہم اہل سنت اس لئے کہلاتے

ہیں کہ سن کرایان لائے ہیں۔ اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا نکل سکتا تھا کہ عقل و فہم سُن ہو کر رہ جائیں

ایک اور آیت میں اس "سعی" کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿١٩﴾	اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھیگا اور اس کے لیے جیسی سعی کرنی چاہیئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا۔ بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو۔ سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی۔ ۱۷: ۱۹
۱۹ بنی اسرائیل	

ایک مقام پر نہایت مختصر الفاظ میں یہ کلیہ اس طرح بیان کیا گیا ہے

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ طٰہٰ - ۱۵	تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ مل جائے۔ ۲۰ : ۱۵

یعنی ہر نفس کو اس کی سعی کی جزا ضرور ملے گی۔ غور کیجیے اور سوچیے کہ یہ ایصالِ ثواب فاتحہ خوانی اور دیگر اس قسم کے امور کس کی سعی ہیں۔ مرنے والے کی یا اس کے لواحقین کی ؟ یہ مردوں کے نام پر ڈنر کون دیتا ہے۔ اس کے لیے دولت کس کی خرچ ہوتی ہے ؟ ظاہر ہے کہ اس میں مردے کی سعی کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ اسی لیے جس کی سعی ہے اس کے کھاتے میں اسے ڈالا جائیگا۔ اور دنیا میں بھی یہی ہوتا آیا ہے کہ دعوت اڑانے والے دعوت کرنے والے کی تعریف کے گن گاتے ہیں کہ فلاں نے بہت عمدہ قورمہ تیار کرایا تھا۔ فلاں نے فلاں کی جو بریانی بنائی تھی اس میں اتنا لذت دار کھانا تھا کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے۔ بلکہ پیٹ میں اتنا ٹھونسا کہ پیٹ پر ہاتھ پھیرنے پہ مجبور ہو گئے۔ یہ سب کچھ سعی کس کی تھی ؟ یہ تو آپ کے الفاظ نے خود ظاہر کر دیا ہے کہ جس کی سعی ہے وہ اسی کے نام لکھی جائے گی۔ اگر اچھی سعی ہے تو وہ بارگاہِ الٰہی میں ضائع بھی نہ ہوگی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝

الانبیاء-۹۴

سو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا۔ سو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں۔ اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ ۲۱ : ۹۴

تقدیم عمل

بعض مقامات پر ایک نئی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (جو کچھ تم نے دنیا میں کرکے آگے بھیجا ہے) اسے تقدیم عمل کہہ لیجئے۔ اس کے لئے دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یعنی۔ مَا قَدَّمَتْ اور مَا اَسْلَفَتْ یعنی تم اپنی دنیاوی زندگی میں جو مال برآمد کر چکے تھے، اس کا معاوضہ تمہیں دیا جائیگا۔ ان میں سے کوئی پارسل ضائع نہیں ہوا لیکن شرط یہی ہے کہ وہ مال تم نے خود بھیجا ہو۔ کیوں کہ ہمارے یہاں کسی کا معاوضہ دوسرے کو قطعاً نہیں تھمایا جاتا کیوں کہ یہ سراسر ظلم ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَا كَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

الحج-۱۰

یہ تیرے ہاتھ کے آگے بھیجے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے۔ اور یہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ۲۲ : ۱۰

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

۱۸۲- آل عمران

یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں ۳ : ۱۸۲

تم جو کچھ بھی اپنے ہاتھوں عمل کر کے آگے سپلائی کر دگے۔ وہ چیز تمہیں وہاں ضرور ملے گی۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا۔

المزمل ۲۰

اور جو عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت بنا کر) بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے،

۷۳ : ۲۰

شرطیں صرف دو ہیں اوّل یہ کہ وہ عمل خیر ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے انجام دیا ہو جیسا کہ لفظ لِأَنفُسِكُم اس کی شہادت دے رہا ہے اور جو عمل دوسرے کے لئے انجام دیا جائے گا اس کا ہمارے یہاں کوئی صلہ نہیں۔ اور نہ قیامت کے روز ایسا عمل نظر آئے گا۔

يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ

۴۰۔ النبا

جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے) حاضر پائے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوں گے۔

۷۸ : ۴۰

آخرت میں انسان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ بھی اس مال کے عوض میں ملیں گی جو مال دنیا میں اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کر چکے تھے۔ اور جو مال انہوں نے بھیجا ہی نہیں اس کے معاوضے کا کیا سوال

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ

۲۴۔ الحاقہ

کھاؤ اور پیو، مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں کئے تھے۔

۶۹ : ۲۴

ہم اتنی آیات قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ مولوی کے حلق سے نیچے نہ اتریں گی۔ کیوں کہ اگر اس نے انھیں حلق سے نیچے اتار لیا تو پھر مفت کے شیر مال اور قورمے کیسے کھانے کو ملیں گے۔ اور ان کی یہ توند پھر کیسے بڑھ سکے گی۔ ہم قارئین کو

سمجھانے کے لئے اور بھی آیات پیش کئے دیتے ہیں۔ اگرچہ حتی الامکان ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ کوئی آیت مکرر نہ لائی جائے۔ لیکن اگر ایک ہی مضمون کی آیت متعدد سورتوں میں آگئی ہے تو ہم نے بعض جگہ اسے نقل کر دیا ہے۔

عذابِ الٰہی کے اسباب

ہم سطورِ بالا میں اشارۃً یہ تحریر کیا تھا کہ عمل خواہ خیر ہو یا شر، نیک ہو یا بد ان میں سے ہر عمل دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ عمل ظاہری ہوگا جس کا تعلق حواسِ ظاہرہ یعنی اعضا جسمانی سے ہوگا یا وہ باطنی عمل ہوگا۔ یعنی ذہن و دماغ اور قلبی طور پر انسان اس سے متاثر ہوگا۔ جیسے عقائد ایمانیہ یا عقائد کفریہ، اس قسم کے تمام اعمال نیت سے تعلق رکھتے ہیں اور آخرت میں اعمالِ باطنہ کے متعلق ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں ہر قانون کا تعلق اعمالِ ظاہرہ سے ہے۔ لیکن بیشتر اعمال باطنہ اعمالِ ظاہرہ کے محرک ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جس کا ظاہر اچھا ہوگا باطن بھی اچھا ہوگا۔ اور بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات انسان کا ظاہر ایک فریب اور دھوکا ہوتا ہے۔ اور اس عمل کے پیچھے کوئی بدنیتی یا بداعتقادی کارفرما ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے اس لئے اس کے یہاں ہر عمل میں نیت کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ اسی لئے جب وہ لفظ کسب، سعی، عمل اور فعل وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کے نزدیک ہر دو قسم کے افعال و اعمال مراد ہوتے ہیں نہ کہ صرف اعمالِ ظاہرہ۔ یعنی اس کے کاتبین، جہاں اعمالِ ظاہرہ تحریر کرتے ہیں، وہاں اعمالِ باطنہ کو بھی تحریر میں لایا جاتا ہے اور قیامت کے روز یہ تمام اعمال پیش کئے جائیں گے اور ان سب کی اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

قرآن جہاں بھی جزا کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کبھی اعمالِ ظاہرہ کو اس کا سبب قرار دیتا ہے کبھی اعمال باطنہ کو اور کبھی دونوں کو سبب قرار دیتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی صورت ایسی نہیں جسے شریعت کی زبان میں عمل نہ کہا جاتا ہو۔ یہی وہ اعمال و افعال ہیں جن پر آخرت کی جزا موقوف ہے۔ اگر ظاہر و باطن شریعت کے مطابق ہے تو وہ عمل صالح ہے اور اگر ظاہر یا باطن یا دونوں شریعت کے خلاف حرکت کر رہے ہیں تو وہ عمل سیئہ ہے۔

قرآن نے ثواب و عذاب، جنت و نار، جزائے خیر اور جزائے بد دونوں کو عمل پر موقوف کیا ہے۔ خواہ وہ عمل ظاہرہ ہو یا باطنہ۔ ہم سطور ذیل میں اولاً وہ آیات پیش کریں گے جن میں عذاب کو عمل پر موقوف کیا گیا ہے۔ اور بعد میں وہ آیات پیش کریں گے جن میں ثواب اور جنت کو انسان کے ذاتی عمل پر موقوف قرار دیا گیا ہے۔

ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن عمل کو مختلف الفاظ سے موصوف کرتا ہے۔ کبھی لفظِ عمل استعمال کرتا ہے۔ کبھی لفظ فعل، کبھی لفظِ کسب کبھی لفظ سعی۔ کبھی اس کے لئے مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ "اپنے ہاتھوں انجام دے کر آگے روانہ کرنا" اور کبھی مَا أَسْلَفَتْ کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور ان سب کا مقصود وہ عمل ہے جو انسان اپنی دنیاوی زندگی میں انجام دے چکا۔ یہ کوئی ہماری نرالی منطق نہیں بلکہ تمام مفسرین اور آئمہ کرام ان آیات کی تفسیر میں یہی بات بیان کرتے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ کفار روز قیامت اس کی تمنا کریں گے کہ ہمیں دوبارہ عمل کی چھوٹ دی جائے اور اس کے لئے دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تاکہ ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔

سورۂ فجر میں کفار کا حال ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

وَجِايْءَ يَوْمَئِذٍ	اور اس روز جہنم کو لایا جاوے گا۔
بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ	اس روز انسان کو سمجھ آوے گی، اور
يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ	اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔ کاش

وَاَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی ۝ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۝
۲۳-۲۴ الفجر

میں اس زندگی کے لئے کوئی (نیک عمل) آگے بھیج دیتا۔
۸۹ : ۲۳ : ۲۴

یعنی اسے افسوس ہوگا تو اس بات کا ہوگا کہ اس نے دنیاوی زندگی میں خود اعمال کیوں انجام نہیں دیئے تھے۔ اسے اس امر کی کوئی شکایت نہ ہوگی کہ میرے لواحقین اور اعزا و اقارب نے میرے مرنے کے بعد ثوابوں کے پارسل کیوں روانہ نہیں کئے اور نہ پارسلوں کی وصولی کا وہاں کوئی ذکر ہوگا۔

ان لوگوں کو اس کا افسوس نہ صرف روزِ قیامت ہوگا۔ بلکہ فرشتۂ اجل کو دیکھتے ہی یہ تمنائیں شروع ہو جائیں گی، حالانکہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب مرنے والے کے لواحقین اس کے ارد گرد جمع ہوتے ہیں اور یٰسین تلاوت کی جاتی ہے۔ لیکن مرنے والا ان تمام امور سے بے نیاز ہو کر دل کی گہرائیوں کے ساتھ کہتا ہے،

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ المومنون ۹۹-۱۰۰

اے میرے رب مجھکو واپس بھیج دے تاکہ جس کام کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر جا کر وہ کام کروں۔ ۲۳ : ۹۹ - ۱۰۰

لیکن بارگاہِ الٰہی سے جواب ملتا ہے۔

کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝
۱۰۰- المومنون

ہرگز (ایسا) نہیں ہوگا۔ یہ اس کی ایک بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے، اور ان لوگوں کے آگے ایک چیز کی آڑ آنے والی ہے (مراد اس سے موت ہے) قیامت کے دن تک
۲۳ : ۱۰۰

جن مجرمین نے آگے زادِ راہ روانہ نہیں کیا تھا اور پیشگی اعمال انجام نہیں دیئے تھے۔ وہ قیامت کے روز سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ اور گڑ گڑا گڑ گڑا کر عرض کریں گے۔

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا	اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَا	اور کان کھل گئے سو ہم کو پھر بھیج دیجئے۔
لِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝	ہم نیک کام کریں گے ہم کو پورا یقین
	ہو گیا
۱۲ السجدہ	۳۲ : ۱۲

لیکن جب انھیں جہنم کی جانب دھکیلا جائے گا اور اس کے کنارے پہنچیں گے تو پھر یہی تمنا ہو گی۔

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ	ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے
رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝	جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب
۲۷-الانعام	کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں۔ اور ہم ایمان
	والوں میں سے ہو جائیں۔ ۶ : ۲۷

اور جب اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں تو اپنے اعمالِ بد سے صاف مکر جائیں گے۔ اور اپنے اوپر سے الزام قرار دیں گے۔

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ	ہم تو کوئی برا عمل نہ کرتے تھے۔ کیوں
بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ	نہیں۔ بے شک اللہ تعالےٰ کو تمہارے
تَعْمَلُوْنَ ۝	سب اعمال کی پوری خبر ہے۔
النحل ۲۸	۱۶ : ۲۸

یہ تو وہ آیات کریمہ تھیں جن میں مجرمین کی تمناؤں کا ذکر کیا گیا ہے کہ کاش ہم دنیا میں کوئی عمل کر لیتے۔ لیکن کسی آیت میں یہ تمنا بیان نہیں کی گئی کہ کاش ہمارے بھی اعزاء و اقارب ہمارے نام کی فاتحہ دلوا دیتے، یا کم از کم قرآن خوانی کرا دیتے۔

اب رہیں وہ آیات جن میں مجرمین کی سزا اور ان کے جرائم کا حال بیان کیا گیا ہے۔

انھیں دنیاوی زندگی میں مخاطب کرکے کہا جا رہا ہے

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۶۰﴾ الانعام

اور وہ ایسا ہی ہے کہ رات میں تمہاری روح کو قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ ۶ : ۶۰

یہ آیت ہر قسم کے افراد کے لئے عام ہے۔ اس لئے کہ اس میں زندوں کو مخاطب کیا گیا ہے جس میں نیک و بد اور مومن و کافر سب شامل ہیں۔ اور ان ہر قسم کے افراد کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم سب کو بارگاہِ الٰہی میں جمع ہونا ہے۔ اور وہاں تمہیں تمہارے انجام دیئے ہوئے اعمال سے باخبر کیا جائیگا۔ اور پھر وہ یہ تمنا کریں گے کہ انہیں دنیا میں دوبارہ بھیجا جائے۔ تاکہ ہم عمل کرکے اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکیں۔

لیکن اگر لواحقین کا عمل مرنے والے کو پہنچ سکتا۔ یا اس کا ثواب اسے حاصل ہو سکتا تو اسے تو یہ عرض کرنا چاہیئے تھا کہ اے پروردگار کچھ تو انتظار کیجئے۔ ابھی تو ہماری موت واقع ہوئی ہے۔ دو تین روز میں ہمارے اعزا ہمارے نام کی جو دیگیں چڑھانے والے ہیں۔ ہمارا تیجہ، دسواں اور چہلم بھی ہوگا۔ اور اس میں قرآن خوانی بھی ہوگی۔ پھر برسیوں پر بھی انتظامات ہوں گے۔ ان سب حرکات کے ثواب ہمارے نام پارسل ہوتے ہیں۔ اور ہمیں ان کو وصول کرنا ہے۔ ابھی تو ثوابوں کی وصولیابی مکمل نہیں ہوئی۔ ابھی سے سزا و جزا کا کیا مسئلہ اور قیامت کے روز یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ہمارے نام کی قرآن خوانیاں ہوئیں اور ثواب ایصال کئے گئے۔ وہ کہاں گئے۔ انھیں بھی جانچ پڑتال میں شامل کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت سے لے کر جہنم میں یا جنت میں داخل ہونے تک ایک ایک حالت بیان فرمائی ہے۔ لیکن کسی مقام پر بھی صراحتاً یا کنایتاً یہ بیان نہیں کیا کہ وارثین کے اس عمل کا ثواب بھی انہیں ملے گا۔ جو ان کے نام سے انجام دیئے گئے تھے۔ بلکہ ہر جگہ مرنے والے کے عمل کو پیش کر کے اسی پہ سزا و جزاء کا فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔ اور ہر جگہ یہ اصول بیان کیا جا رہا ہے کہ تمہیں صرف تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔

ایک مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ٥

۷۰، الانعام

اور ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہو جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے، اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو، اور نہ سفارشی ہو۔ اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے عمل کے سبب پھنس گئے ان کے لئے تیز گرم پانی پینے کے لئے ہوگا۔ ۶:۷۰

اس آیت میں عذاب کی اصل وجہ کسب بیان کی گئی ہے۔ کوئی کم فہم یہ اعتراض نہ کر بیٹھے کہ اصل وجہ کفر ہے نہ کہ کسب و عمل۔ کیوں کہ یہاں کفار کا ذکر ہو رہا ہے تو ہم سطور بالا میں یہ صراحت کر چکے ہیں کہ کفر و ایمان اور شرک و توحید یہ سب باطنی

اعمال ہیں۔ اور شریعت کی زبان میں وہ بھی کسب و عمل میں داخل ہیں۔ اس لحاظ سے کفر کسب و عمل کا ایک جزئیہ ہے۔ اس سے خارج نہیں۔

لیکن پھر بھی آپکا یہ اعتراض سر آنکھوں پر۔ اس کے جواب میں ہم وہ آیات پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں اہل جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جن آیات میں صراحت کی گئی ہے کہ اہل جنت کو یہ جنت ان کے اعمال کے صلے میں ملے گی۔

"سورۃ "المرسلات" میں متقین کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ	یقیناً پرہیزگار لوگ سایوں میں اور
وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ كُلُوْا	چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہونگے
وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ	(اور ان سے کہا جائیگا) کہ اپنے اعمال کے
تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى	صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو، ہم
الْمُحْسِنِيْنَ ۝	نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں
المرسلات ۴۱ تا ۴۴	۷۷ : ۴۱ - ۴۴

ان آیات میں یہ امر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ متقین کو جنت کی یہ نعمتیں جو عطا کی جائیں گی یہ ان کے اپنے اعمال کی جزا ہوگی۔ یہ لوگ قرآن خوانیوں کے ڈرامئوں اور فاتحہ خوانی کے حلووں کے ذریعے جنت میں نہ جائیں گے۔ بلکہ یہ صرف ان کے اپنے اعمال کی جزا ہوگی اور اسی کا انھیں صلہ ملے گا۔ کیوں کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم نیکی کرنے والوں کو نیک صلہ دیا کرتے ہیں۔ ہمارا اصول یہ نہیں کہ نیکی کوئی کرے اور کام کسی اور کے آئے۔

"الحشر" میں مومنین کو تلقین کی جا رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا	اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو،
اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا	اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت)

قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۸

کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔

۱۸۔ الحشر ۵۹ : ۱۸

یہاں بھی انسان کو اسی کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تک تم آئندہ زندگی کے لئے اپنے اعمال کا پیشگی ذخیرہ نہ کرو گے کسی اور کی کوئی سعی تمہارے کام نہ آسکے گی۔

۲۔ الواقعہ میں سابقین و مقربین کو جنت میں جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ○ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ○ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ○ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ○ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ○ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ○ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ○ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ○ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ○

اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ یہ قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ ہی لڑکے رہیں گے، یہ چیزیں لیکر آمد و رفت کیا کریں گے۔ آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام مشروب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائیگا۔ نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں

۱۰ تا ۲۳ الواقعہ

میں فتور آئے گا۔ اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔ اور ان کے لیے گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہونگی، (حوریں) جیسے (حفاظت) سے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ ۵۶ : ۱۰ - ۲۳

یہ تمام نعمتیں گنانے کے بعد ان نعمتوں کے ملنے کی وجہ ان الفاظ بیان فرماتے ہیں

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ سب کچھ ان کے اعمال کے صلے میں ملیگا

۲۴ - الواقعہ ۵۶ : ۲۴

گویا یہ تمام نعمتیں مقربین کے اپنے اعمال کا صلہ ہیں۔ اگر ان کے اپنے ذاتی عمل میں کوتاہی ہوتی تو نہ تو وہ مقربین میں داخل ہوتے اور نہ انھیں یہ نعمتیں حاصل ہوتیں انھیں یہ نعمتیں الیصال کے چکروں سے حاصل نہ ہوں گی۔

سورۂ طور میں متقین کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّـتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ

متقی لوگ بلاشبہ بہشت کے باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے۔ اور ان کو جو چیزیں ان کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوش دل ہوں گے، اور ان کا، پروردگار ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ خوب کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اپنے عملوں کے بدلے میں۔ تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں۔ اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی

شَیْءٍ ؕ کُلُّ امْرِیءٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنٌ ؕ ۝	آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے۔ اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے۔ اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہوگا۔ ۵۲ : ۱۷ - ۲۱
۵۲ الطور : ۲۱	

ان آیات میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ متقین کو جو یہ نعمتیں ملیں گی۔ یہ صرف ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوں گی، بلکہ جنّت میں کھانے پینے کو بھی جو کچھ ملے گا وہ اپنے اعمال کے صلے میں ملے گا۔

ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا جا رہا ہے کہ مومنین بذاتِ خود ہوں یا ان کی ذرّیت کسی کے عمل میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اگر اولاد صاحبِ ایمان اور صاحبِ عمل ہے تو وہ بھی اپنے آباؤ کے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ بھی نہ ہوگا کہ اگر اولاد نے ایصال کے نام سے جو اعمال انجام دیئے ہیں وہ مرنے والوں کے نام لکھوائے جائیں۔ اس لئے کہ یہ اسکا عمل ہے اور ہم کسی کے عمل میں کمی نہیں کیا کرتے۔ ہمارے یہاں یہ نہیں ہوتا کہ عمل کوئی کرے اور لے بھاگے مردہ، قرآن کی تلاوت ہم کریں اور ثواب لوٹے کوئی اور صدقہ ہم کریں اور لکھا جائے مرنے والے کے کھاتے میں۔ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ دونوں کے کھاتوں میں لکھ کر دونوں کو اجر دیدیا جائے۔ جیسا کہ عام تخیل پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ ہم نے یہ اصول متعین کر دیا ہے۔

کُلُّ امْرِیءٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنٌ ؕ ۝	ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہوگا
۲۱ - الطور	۵۲ : ۲۱

اور

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۔ ہر نفس اپنے اعمال میں محبوس ہے۔

المدثر ۳۸ ۔ ۷۴ : ۳۸

سورۃ طور کی ان آیات کے ساتھ اگر ما قبل کی آیات کو دیکھا جائے جن میں اہلِ جہنم کا ذکر ہے۔ کہ جہنم میں داخل کئے جانے کے بعد ان سے جو کچھ خطاب ہوگا۔ تو وہاں بھی یہ بات صاف نظر آجائے گی کہ انہیں جہنم کی جو سزا مل رہی ہے وہ ان کے اپنے ذاتی اعمال کا نتیجہ ہے۔ سورۃ طور کی سولھویں آیت ملاحظہ ہو۔

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ج سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ط اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اس میں داخل ہو پھر خواہ (اس کی) سہار کرنا یا سہار نہ کرنا تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں۔ جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائیگا۔

۱۶۔ الطور ۵۲ : ۱۶

یعنی اہلِ جنّت ہوں یا اہلِ جہنم دونوں کو جو کچھ بھی ملے گا وہ اپنے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا۔ دونوں طبقوں کے لئے ایک ہی اصول ہے۔ اگر ایصالِ عذاب کے ذریعہ کسی کے گناہ میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تو ایصالِ ثواب سے کسی کی نیکیوں میں اضافہ کیسے ہو سکتا ہے اگر ایصال ثواب کچھ سودمند ہے تو ایصالِ عذاب بھی یقیناً ضرر رساں ہے۔ اصولی طور پر یا دونوں کو تسلیم کیا جائیگا۔ یا دونوں کو ناقابلِ قبول قرار دیا جائیگا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ شیعوں کے اکثر فرقے ایصال عذاب کے بھی قائل ہیں۔ اور تبرّا بھی ایصالِ عذاب کی ایک صورت ہے۔ پھر اسے بھی تسلیم کرنا ہوگا۔

سورۃ انبیاء میں متقین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۙ حَدَآئِقَ ۔ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے کامیابی ہے

وَاَعْنَابًا ۝ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝

النبا ۳۱-۳۶

یعنی دکھانے اور سیر کو) باغ اور انگور اور (دل بہلانے کو) نوخاستہ ہم عمر عورتیں اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب، وہاں کوئی نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ، جو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے گا۔ جو کافی انعام ہوگا۔ ۷۸ : ۳۱-۳۶

یعنی یہ جزاء حساب کے ساتھ دی گئی ہے۔ جتنے اعمال ہیں اسی کے حساب سے جزا بھی ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی۔ سورہ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

الاحقاف ۱۹

اور ہر ایک کو ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کردے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ ۴۶ ؛ ۱۹

یعنی انکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے اعمال کے سبب ان کے درجات بھی بلند کئے جائیں گے۔ اُن پر قطعاً یہ ظلم نہ ہوگا کہ ان کے اعمال میں کمی کردی جائے کیوں کہ ظلم کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک کا حق کاٹ کر دوسرے کو دیدیا جائے۔ اسی سورت میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْ

یہ وہ لوگ ہیں جنکے (نیک عملوں کو ہم قبول کریں گے۔ اور ان کے گناہوں سے درگذر کریں گے۔ اسی طور پر یہ اہلِ جنت میں سے ہوں گے۔ اس وعدہ صادق کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

يُوْعَدُوْنَ ○ الاحقاف۔۱۶ ۴۶ : ۱۶

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک سچا وعدہ ہے۔ جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں کہ انسان کے ذاتی اعمال میں سے صرف اچھے اعمال قبول کئے جایئں گے۔ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعام ہے کہ اچھے اعمال کرنے والوں کی برائیوں سے وہ درگزر فرماتے ہیں۔ یہ درگزر ایصال ثواب کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہوتی ہے۔

اسی سورت میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ	جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس
ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	پر مستقیم رہے۔ ان لوگوں پر کوئی خوف
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ	نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ	جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ الاحقاف ۔۱۳۔۱۴	اعمال کے عوض جو وہ کرتے تھے۔ ۴۶ : ۱۳۔۱۴

ان آیات میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کو انسان کے اپنے اعمال کی جزا بیان کیا گیا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ متقین کو خطاب کر کے فرمائینگے

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ	اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں
الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۚ	اور نہ تم غمگین ہوگے۔ یعنی وہ بندے جو
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا	ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے۔ اور فرمانبردار
مُسْلِمِيْنَ ۚ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ	تھے۔ تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش،
اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ	جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے پاس سونے
تُحْبَرُوْنَ ○ يُطَافُ عَلَيْهِمْ	کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے۔ اور
بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ	وہاں وہ چیزیں ملیں گی، جن کو جی چاہے گا
اَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا	اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی۔ اور

مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۚ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ	ان سے کہا جائیگا) کہ یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے۔ اپنے نیک اعمال کے عوض میں ۔
الزخرف ۔ ۶۸ ۔ تا ۷۲	۴۳ : ۶۸ ۔ ۷۲

یہ جنت انسان کی میراث ہے۔ لیکن یہ میراث انسان کو اپنے اعمال کے بدلہ میں حاصل ہوتی ہے ۔ اگر اپنے پاس اعمال نہ ہوں تو یہ میراث قطعاً حاصل نہ ہوسکے گی۔ خواہ اعزاء و اقارب مرنے والے کے لیے کتنا ہی سر پیٹتے رہیں ۔ اور خواہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر مردوں کے نام سے یاروں کو کتنا بھی چٹاتے رہیں۔ جس شخص کی یہ میراث نہیں اسے کیسے حاصل ہو جائے گی ۔

ایک مقام پر ارشاد ہے ۔

وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝	اور تم بدلہ نہیں دیئے جاؤ گے مگر ان کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ۔
الصفت ۳۹	۳۷ : ۳۹

یہ آیت وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کر رہی ہے کہ انسان کو اس کے اپنے اعمال کے علاوہ کسی اور چیز کی جزا نہ ملے گی۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی یہ دعوی کہ ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو مل سکتا ہے۔ یہ نہایت مہمل دعوی ہے اور اگر یہ دعوی قبول بھی کر لیا جائے تو اس آیت کی رو سے یہ تو تسلیم کرنا ہوگا ۔ کہ وہ ثواب لغو ہوگا ۔ کیوں کہ اس کی جزا ہرگز نہ ملے گی ۔ اور جب جزا نہ ملے گی ، تو ثواب کیا معنی رکھتا ہے ۔ کیوں کہ ثواب تو نام ہے اچھی جزا کا ۔ اور اس کی نفی کر دی گئی ۔ تو ایسی صورت میں وہ کوئی فرضی موہوم شے ہوگی جس کا کوئی وجود نہ ہو ۔

سورۂ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے ۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ	پھر اس دن کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا
شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا	اور تم کو بس (صرف) انہی کاموں کا بدلہ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝	ملے گا۔ جو تم کیا کرتے تھے۔
۵۴۔ یٰسین۔	۵۴ : ۳۶

اس آیت میں بھی اسی امر کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کی نفی بھی کی گئی کہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور بیشتر مقامات پر اس کا اعادہ بھی کیا گیا ہے کہ یہ بھی ایک ظلم ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے سپرد کر دیا جائے۔

سورۃ السجدہ میں جنت کی نعمتوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ	سو کسی کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک
لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ	کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ	میں موجود ہے۔ یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ
كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ	ملا ہے تو کیا جو شخص مؤمن ہو گیا وہ
لَا يَسْتَوٗنَ ۝ اَمَّا الَّذِيْنَ	اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم ہو۔ وہ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	آپس میں برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایمان لائے
فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى	اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ سو ان کا ہمیشہ
نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝	کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کے
۱۷-۱۹ السجدہ	بدلہ میں بطور ان کی مہمانی کے ہیں۔ ۳۲ : ۱۹،۱۷

جنت کی جتنی بھی نعمتیں ہیں۔ یہ سب اعمال کے عوض حاصل ہونگی۔ وہاں کی مہمانداری بھی اسی کو حاصل ہوگی۔ جس کے پاس اپنے اعمال ہونگے۔ مانگے ہوئے اعمال سے کوئی کام نہ چلے گا۔

العنکبوت میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ

العنکبوت ۔ ۵۸

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ ہم ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے۔

۵۸:۲۹

یہ خوبصورت اور حسین بالاخانے اور یہ بل کھاتی ہوئی نہریں، انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہیں جن کے پاس اپنا اچھا عمل موجود ہو۔ کیوں کہ اسی سورت کی ابتداء میں ایک کلیہ بیان فرمایا تھا

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

العنکبوت ۶-۷

اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے (نفع) کے لئے محنت کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو تمام جہاں والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور ان کے اعمال کا (استحقاق سے) زیادہ

یعنی دنیا میں انسان جو بھی عمل انجام دیتا ہے وہ اپنی ذات کے فائدے کے لئے انجام دیتا ہے، اور عالم بقا میں اس کو اپنے اعمال ہی کے صلہ میں جزا ملے گی۔ اور جو شخص دوسرے کیلئے عمل انجام دے وہ تو انتہائی درجہ کا احمق ہے کہ اپنی مزدوری اپنے ہاتھوں ضائع کر رہا ہے۔ کیوں کہ انسان کی کوشش تو اپنی ذات کے لئے ہونی چاہیئے۔ لہٰذا جو بھی عمل انجام دینا ہے۔ وہ مرنے سے قبل اپنی ذات کے لئے انجام دے لے جو وقت مُردوں کے پیچھے برباد کر رہے ہو، وہ وقت زندوں کے لئے صرف کرو۔ کیوں کہ زندوں کے جو حقوق تم پر عائد کئے گئے ہیں۔ وہ بھی تمہارا عمل ہے۔ مردوں کا حق تو کفن و دفن کے علاوہ صرف اتنا ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔

سورہ النمل میں ارشاد ہوتا ہے۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○	تم کو ان ہی عملوں کی جزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔
النمل ۹۰	۹۰:۲۷

یعنی اپنے اعمال کے علاوہ کسی اور کے عمل کی جزا ملنی ایک امر محال ہے۔ کیوں کہ اگر اس کا امکان ہوتا تو حرف استفہامیہ یعنی حرف هَلْ استعمال نہ کیا جاتا۔ یہ ایک سوالیہ جملہ ہے کہ کیا تم کو تمہارے اعمال کے علاوہ کسی اور چیز کی جزا دی جا رہی ہے؟ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس سوال کا جواب نفی کے علاوہ کچھ اور ممکن نہیں۔ اب ہمیں معلوم نہیں کہ اگر ہمارے ملاؤں سے یہ سوال ہوا تو وہ اس کا جواب اثبات میں دیں گے۔ یا نفی میں۔ یا اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی روایت یا پیروں کی کوئی کہانی سنا کر قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سورۃ النور میں اصحاب عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ	اور یہ ہو گا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا۔ (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔ ۳۸:۲۴
النور ۳۸	

سورۃ بنی اسرائیل میں یہ مضمون ایک عجیب پیرائے میں بیان فرماتے ہیں۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○	اور جو شخص آخرت کے ثواب کی نیت رکھے گا۔ اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہیئے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو۔ سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہو گی ۱۹:۱۷
بنی اسرائیل ۱۹	

یعنی انسان دنیا میں جو کچھ بھی سعی و محنت کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے آخرت مقصود ہو

تو آخرت میں اس کی یہی سعی کام آئے گی۔ اس کے علاوہ کچھ اور کام نہ آئے گا۔ جس طرح وہ سعی وہاں کام نہ آئے گی جس کی غرض و غایت دنیا ہو، جیسے رسومات، اسی طرح دوسر کی سعی بھی لاحاصل محض ہو گی، اس کا کچھ فائدہ اگر حاصل ہو گا تو سعی کرنے والے کو حاصل ہو گا نہ کہ جس کے لئے سعی کی جا رہی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں اگر کوئی شخص کسی کی ہدایت کے لئے سعی کرے تو اسے اس سعی کا اجر ملے گا لیکن جس کے لئے سعی کی جا رہی ہے۔ اس کا اس کے اجر سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اگر وہ ہدایت پا جاتا ہے تو جہاں اسے اپنے عمل کا اجر ملے گا وہاں سعی کرنے والے کو بھی اس کا اجر ملے گا۔ کیوں کہ اس کی بنیاد اسی نے رکھی ہے۔ جبکہ ایصال ثواب کی صورت میں سعی کرنے والے کا عمل دوسرے کے نام کر دیا جاتا ہے۔ ایسی الٹی منطق ہے جو خلافِ عقل بھی ہے۔ اور خلافِ کتاب اللہ بھی۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹۶-۹۷ النحل

اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جاوے گا۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے۔ وہ دائم رہیگا۔ اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔ جو شخص کوئی نیک کام کرے گا۔ خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔ بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

۱۶ : ۹۶-۹۷

یہ آیات ثابت کر رہی ہیں کہ انسان کو صرف اپنے اچھے اعمال کی جزا ملے گی خواہ وہ مرد ہو

یا صورت . ہاں اگر اس نے ایمان قبول نہیں کیا تو پھر کسی اچھے عمل کی جزا نہ ملے گی ۔ ایسی سورت میں ایک مقام پر قرب موت اور بعد الموت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ متقین کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

۳۰ تا ۳۲ النحل ۵

اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے ۔ وہ کہتے ہیں بڑی چیز نازل فرمائی ہے ۔ جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے ۔ اور عالم آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے اور وہ متقین کا اچھا گھر ہے ۔ وہ گھر ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے ۔ ان باغوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ۔ جس چیز کو ان کا جی چاہے گا ۔ وہ وہاں ان کو ملے گی ۔ اسی طرح کا اجر اللہ تعالیٰ متقین کو دیگا ۔ جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے کہتے جاتے ہیں ، سلام علیکم ، تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب

۱۶ : ۳۰ - ۳۲

ان آیات میں یہی چیز بیان کی گئی کہ وہاں جو کچھ بھی ملے گا وہ انسان کے اپنے عمل

کے سبب ملے گا۔

سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ	اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں
اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ	کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کی جزا کا
خَبِيْرٌ ۝	پورا پورا حصہ دے گا۔ وہ بالیقین
ہود - ۱۱۱	ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے

یعنی وہاں ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ اگر بالفرض کسی کو اپنا وہاں کوئی عمل یاد نہ رہے تو فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے خود باخبر ہے۔

سورت التوبہ میں اہل مدینہ اور اس کے قرب وجوار کے باشندوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد فرماتے ہیں، کہ یہ ہدایات اس لئے دی جا رہی ہیں کہ

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا	تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ التوبہ ۱۲۱	اچھا بدلہ دے۔ ۹ : ۱۲۱

یہ لفظ احسن خود اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ اس آیت اور سابقہ آیات میں گناہوں کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ تمام تر گفتگو اعمال حسنہ کے سلسلہ میں ہو رہی ہے کہ وہاں انسان کو صرف اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔ یاروں کے اعمال اس کے سپرد نہ کئے جائیں گے۔

یہ اصول جزائے اعمال کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ درجات کی بلندی بھی اپنے اعمال کے سبب ہوتی ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا	اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے
رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝	اعمال کے سبب اور آپکا رب ان کے
الانعام ۱۳۲	اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ ۶ : ۱۳۲

بلکہ ولایت بھی انسان کے اپنے عمل پر موقوف ہے۔

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ	ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے۔ ان کے اعمال کی وجہ
الانعام-۱۲۷	سے۔ ۶ : ۱۲۷

یعنی اللہ کی دوستی بھی انسان کے اپنے اعمال پر موقوف ہے تو جو شخص بھی اعمال صالحہ انجام دیگا۔ وہ ولی اللہ ہے۔ ولی ہونے کے لئے اعمال صالحہ شرط ہیں اس کے لئے گیروے رنگ کے کپڑوں، لمبے لمبے جبّوں اور کرامتوں کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت نہیں نہ اس کے لئے کسی پیر کا مرید ہونا ضروری ہے نہ گدی نشین ہونا۔ اور نہ تعویذ گنڈے کرنا اور نہ قبروں کی مجاورت اختیار کرنا۔ یہ تو ایک مخفی تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ہوتا ہے اور جس کا علم اس دنیاوی زندگی میں بلا وحی محال ہے۔ کیوں کہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے کشف والہام کے نام سے وحی کے چور دروازے کھول رکھے ہیں تاکہ عوام کو بے وقوف بنایا جا سکے۔

چوتھے پارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ○	ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی اور یہ اچھا بدلہ ہے ان عمل کرنے والوں کا۔
۱۳۶-آل عمران	۳ : ۱۳۶

یعنی یہ مغفرت الہیہ اور یہ جنت کی لازوال نعمتیں انسان کے اپنے اُن اعمال کا صلہ ہیں جو اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں انجام دیے تھے۔ اتنی لاتعداد آیات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی

یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کے نام ثواب کے بیرنگ پارسل روانہ کئے جا سکتے ہیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس نے قرآن کو کچھ نہیں سمجھا۔ اور نہ قرآن کی کوئی قدر کی۔ بلکہ قرآن کے مقابلے پر روایات، اندھی تقلید اور اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی۔

اس قسم کی تمام آیات جمع کی جائیں تو وہ سیکڑوں سے متجاوز ہوں گی۔ اور کتاب ایک طویل سفر اختیار کر لے گی۔ اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے اور بطور تکمیل آخر میں سورۃ بقرہ کی ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

۱۱۰۔البقرہ

اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے آگے جمع کرتے رہو گے۔ حق تعالیٰ کے پاس پہنچ کر اسے پالو گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں۔ ۲ : ۱۱۰

یہ آیت صاف طور پر یہ بیان کر رہی ہے عالم آخرت میں صرف وہی پارسل کام آسکیں گے جو انسان اپنی اس دنیوی زندگی میں مرنے سے قبل روانہ کر چکا تھا۔ کیوں کہ انسان کے مرتے ہی اس کا دفتر لپیٹ دیا جاتا ہے۔

اب اگر کسی انسان کی بیشتر زندگی خواب غفلت میں گزری ہے تو اس کا حل یہ نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد وارثین خود ساختہ ذرائع سے غفلت گزاری کے ازالہ کی کوشش شروع کر دیں بلکہ اس مسئلہ کو کوئی دوسرا حل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اسکا ذاتی معاملہ ہے جس میں دخلت کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ اس کا حل خود قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

۸۹ آل عمران

ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں سو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحمت کرنے والے ہیں۔ ۳ : ۸۹

ایک اور مقام پر تفصیلی طور پر اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ	توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ	وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ	گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر قریب ہی وقت
قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ	میں توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ	اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور خوب جانتے
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝	ہیں، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ	توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا	تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے
حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ	موت ہی آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں
تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ	اب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی
وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ	جن کی حالتِ کفر پر موت آجاتی ہے ان
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝	لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار
النساء - ۱۷ - ۱۸	کر رکھا ہے۔ ۴ : ۱۷ - ۱۸

یعنی توبہ کے لئے شرطِ اوّل یہ ہے کہ اس میں عجلت سے کام لیا جائے موت کے وقت تک اسے موخر نہ کیا جائے۔ کیوں کہ عالمِ نزع کی توبہ قبول نہیں۔ اگر کسی نے توبہ کو نزع کے وقت تک موخر کر دیا تو اس کی توبہ لغو ہے۔ اس کے لئے تو کفار کی طرح دردناک عذاب ہے۔ بالفاظِ دیگر توبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر زندگی کا کچھ ایسا وقفہ بھی گذرنا چاہیئے جس میں وہ اعمالِ خیر کی انجام دہی کر سکے۔ جیسا کہ سابقہ آیات میں گزرا ہے کہ انسان کے گناہوں کا کفارہ خود اس کے اپنے ذاتی عمل سے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی اور

ذریعہ نہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جہاں گناہوں کو ترک کیا جائے وہاں نیک اعمال بھی انجام دیئے جائیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ گناہ کبیرہ اعمال صالحہ سے معاف نہیں ہوتے تاوقتیکہ ان سے توبہ نہ کی جائے۔ اس وقت تک یہ امید کہ دیگر اعمال صالحہ سے یہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کی حیثیت خود فریبی سے زیادہ نہیں۔ ارشاد ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝	اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔ ہم تمہاری برائیاں دور کر دیں گے اور تمہیں عمدہ ٹھکانے میں داخل کریں گے۔
(۳۱ النساء)	۴ : ۳۱

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝	مگر جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص توبہ کرتا اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔
(۷۰، ۷۱ الفرقان)	۲۵ : ۷۰ - ۷۱

توبہ سے متعلق قرآن میں اور بھی متعدد آیات پائی جاتی ہیں۔ اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں گناہوں سے تائب ہو کر نیک عمل انجام دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ گویا اس عمل کا تعلق بھی دنیاوی زندگی سے ہے،

اور دیگر اعمال کی طرح یہ بھی ایک عمل ہے۔

ان تمام آیات سے نتیجہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے کام صرف اسی کے اعمال آئیں گے دوسرے کا عمل کسی کے کام نہ آئے گا۔ علماء کرام سے میری درخواست ہے کہ اگر میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں تو وہ اپنے دلائل سے میری غلطی کا ازالہ فرمائیں۔ اور مجھے اس سے متنبہ فرمائیں۔ اور اگر ان کے دلائل صحیح اور معقول ہوں گے تو میں انھیں دل و جان سے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ آیات قرآنیہ کا ترجمہ ہم نے از خود نہیں کیا۔ بلکہ مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ سے نقل کیا ہے۔ تاکہ ہم پر کوئی یہ الزام عائد نہ کر سکے کہ ہم نے ترجمہ میں غلطی سے کام لیا ہے۔ یا متعارف ترجمہ کو چھوڑ کر غیر متعارف ترجمہ اختیار کیا ہے اسی لئے ہم نے اپنا ذاتی ترجمہ نہیں کیا۔ اب اگر ان تراجم سے کسی کو اختلاف ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی۔

یہ ذہن میں رہے کہ ہم نے مولانا کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ ہم لفظ مولانا کو اللہ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور کسی اور کے لئے استعمال ہمارے نزدیک صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انت مولینا۔ آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں۔ لہذا اب کسی اور کو مولیٰ کہنا اللہ تعالیٰ کی مولایت میں شرکت ہے جو عین شرک ہے۔

دعا برائے میّت

بعض حضرات کو یہ کہتے سنا ہے کہ دعا بھی ایصالِ ثواب ہے۔ بلکہ اچھے خاصے علماء سے بھی یہ بات سننے میں آئی ہے۔ یہ بات اس لئے کہی جاتی ہے کہ اپنی بے راہ روی کے لئے کچھ نہ کچھ وجہ جواز تلاش کی جاسکے اور ملت اسلامیہ کو فریب دیا جاسکے۔ حالانکہ ایصال ثواب سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ایصالِ ثواب کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم اپنی اس قرآن خوانی۔ اپنے اس صدقے اور اپنے فلاں عمل کا اجر فلاں مردے کو اپنی مرضی سے بخشتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ کرنے والے کے لئے یہ عمل ضرورت سے زیادہ تھا جب کہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ التجا اور درخواست کی جاتی ہے کہ اے اللہ فلاں کی مغفرت فرمادیجئے اپنے کسی عمل کے منتقل کرنے کا دعا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر دعا اور ایصالِ ثواب ایک شئے ہیں تو ایصالِ ثواب مردوں کے ساتھ ہی کیوں مخصوص سمجھا جاتا ہے جب کہ دعا زندہ اور مردہ دونوں کے لئے عام ہے۔ بلکہ ہر انسان پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ سے دعا کرتا رہے۔ خواہ اپنے لئے یا دوسروں کے لئے۔

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ه — تم خالص اعتقاد کر کے اسی کو پکارو

۶۵ : ۴۰ — ۶۵ المومن

بلکہ ایک مقام پر تو اپنے لئے دعا نہ کرنے والوں کو عذاب جہنم کی تنبیہ کی گئی ہے ارشاد ہے۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ — مجھ ہی کو پکارو، میں تمہاری درخواست

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ — پوری کروں گا۔ جو لوگ (صرف) میری

عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ٥ ۴۰ المؤمن — اس عبادت سے گریز کرتے ہیں۔ وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ ۴۰ : ۶۰

ان آیات کی رو سے دعا فرض ہے۔ جب کہ ایصالِ ثواب کے قائلین اسے صرف جواز کا درجہ دیتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عبادت فرمایا ہے۔ اور عبادت کے لئے شرط ہے کہ وہ خاص اللہ کے لئے ہو۔ جب کہ ایصال نہ تو عبادت ہے اور نہ یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے بلکہ یہ عمل خالص مردے کے لئے اور لوگوں کے دکھاوے کی خاطر کیا جاتا ہے۔ تو گویا نہ یہ عبادت ہے اور نہ اس سے غرض اللہ ہے۔

اگر دعا سے ایصالِ ثواب کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم سے زیادہ ایصالِ ثواب کے قائلین کے لئے یہ دعا ایک مصیبت بن جائے گی۔ کیوں کہ دعا کی ایک قسم بددعا بھی کہلاتی ہے۔ اور وہ شرعاً بعض حالات میں بعض قسم کے انسانوں کے لئے جائز بھی ہے تو جب دعا اور ایصالِ ثواب ایک شئے ہوگی تو بددعا اور ایصالِ عذاب بھی ایک شئے ہوگی، حالانکہ ہمارے علماء بددعا کے جواز کے تو قائل ہیں۔ لیکن ایصالِ عذاب کے قائل نہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خود ان حضرات کے نزدیک ایصال اور شئے ہے اور دعا اور شئے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ دعا کا حکم اوّلاً زندوں کے لئے ہے سلام اور جواب بھی دعا ہے۔ ہماری بول چال میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ، بَارَکَ اللّٰہُ اور یَغْفِرُ اللّٰہُ وغیرہ کے الفاظ، یہ سب دعائیہ جملے ہیں، جو صرف زندوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں، نماز میں اور بعد از نماز جو دعائیں ہیں وہ بھی زندوں سے متعلق ہیں۔ کیا یہ سب کچھ ایصالِ ثواب ہے۔

قرآن کی بیشتر دعاؤں کو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ مسنونہ ملاحظہ کیجئے، تو معلوم ہوگا کہ تمام تر زندوں کی اپنی ذات سے متعلق ہیں۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ اوّلاً اپنے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے۔ بعد میں دیگر زندوں کے لئے اور

مرنے والوں کا نمبر تو سب کے بعد آئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں مرنے والوں کے لئے دعا کی تعلیم دی گئی ہے وہاں اولاً زندوں کی ذات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ بعد میں ضمناً مرتے والوں کا ذکر کیا گیا اور یہ صورت بھی آپ کو چیدہ چیدہ دعاؤں میں نظر آئے گی۔ نہ کہ تمام دعاؤں میں۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام دعا فرماتے ہیں۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ ۲۸ نوح

اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو اور تمام مسلمان مردوں اور تمام مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے۔ ۷۱ : ۲۸

یہاں اوّلاً اپنی ذات کے لئے دعا ہے، بعد میں والدین کے لئے۔ بشرطیکہ اس دعا کے وقت والدین کا انتقال ہو چکا ہو۔ ورنہ یہ دعا بھی خالص زندوں کے لئے ہو گی۔ لیکن اگر والدین کا انتقال ہو چکا تھا تب یہ دعا زندوں اور مردوں دونوں کو شامل ہو گی۔

یہی طریقۂ کار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا۔ انہوں نے دعا کی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ۴۱ ابراہیم

اے میرے رب، میری، اور میرے ماں باپ کی اور کل مومنین کی مغفرت کر دیجئے حساب قائم ہونے کے دن ۱۴ : ۴۱

اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ جس وقت یہ دعا کی گئی ہو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین حیات ہوں۔ کیوں کہ قرآن اس کی شہادت دے رہا ہے کہ جب انہیں اس کا یقین ہو گیا کہ ان کے باپ کا کفر سے ہٹنا ممکن نہیں تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ

پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا

عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ — کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

۱۱۴ التوبہ ۹ : ۱۱۴

اس لحاظ سے یہ دعا بھی زندوں کے ساتھ مخصوص ہوئی۔ اب قرآن میں صرف ایک دعا ایسی باقی رہ جاتی ہے جس میں مرنے والوں کے لئے ہمیں دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور وہ سورۃ حشر کی یہ دعا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

۱۰ الحشر

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ وہ ان مذکورین کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم کو بخش دیجئے۔ اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔ ۵۹ : ۱۰

اس سے پہلی آیات میں مہاجرین و انصار کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آنے والی نسلوں کا اور ان کی جانب سے یہ دعا نقل کر کے انھیں یہ تعلیم دی گئی کہ تم صحابہ کرام اور اسلاف کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہو۔ اور ان کی جانب سے دل میں کسی قسم کا کینہ نہ رکھو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ میری مخلوق میں ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہوگا جو مہاجرین و انصار پر تبرا کریگا۔ اسی لئے مومنین کو اس کے جواب میں یہ دعا تعلیم دی گئی۔ لیکن اس آیت میں بھی پہلے اپنی ذات کے لئے دعا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ دعا کا اصل اصول یہ ہے کہ اولاً اپنی ذات کے لئے دعا کیجائے اور بعد میں مرنے والوں کے لئے یعنی ہر صورت میں زندوں کا حق مُردوں پر مقدم ہے یہی اصول نماز جنازہ کی صورت میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور یہ دعا تعلیم دی گئی ہے۔

اللھم اغفر لحینا ومیتنا و ۱۰۸
شاھدنا وغائبنا وصغیرنا
وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم
من احییتہ منا فاحیہ
علی الاسلام ومن
توفیتہ منا فتوفہ
علی الایمان

اے اللہ ہمارے زندوں، ہمارے مُردوں، ہمارے موجود لوگوں، ہمارے غائب لوگ، ہمارے چھوٹوں، ہمارے بڑوں، ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کی مغفرت فرما۔ اے اللہ آپ ہم میں سے جسے زندہ رکھیں اسے اسلام پر زندہ رکھ۔ اور جسے ہم میں سے وفات دیں تو ایمان پر وفات دیں

یہ الفاظ خود اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ دعا میں زندہ اور مردہ دونوں ہی شریک ہیں اور دعا میں زندوں کا حق مردوں پر مقدم ہے۔ اگر دعا اور ایصالِ ثواب ایک شے ہیں تو اولاً زندوں کے لیے ایصال کیجئے۔ اور سب سے پہلے یہ علماء اپنے لئے ایصالِ ثواب کی غرض سے فاتحہ خوانی کرائیں۔ ہمیں اس قسم کے ایصال پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہاں اس ایصال میں ہمیں ضرور یاد رکھیئے گا لیکن ہماری جانب سے اس قسم کی کوئی توقع ہرگز وابستہ نہ کریں۔

یہ یاد رکھیئے کہ دعا اور شے ہے اور ایصال اور شے ہے۔ دعا بارگاہِ الٰہی میں درخواست ہے۔ اور ایصالِ ثواب نام ہے اپنا ثواب دوسرے کے نام منتقل کرنے کا جیسے مکان اور زمین منتقل کی جاتی ہے۔ دعا کے وقت نہ برادری کو جمع کیا جاتا ہے۔ نہ اس کے لئے دیگیں چڑھائی جاتی ہیں۔ اور نہ اس کے لئے کسی دن کا تعین ہے۔ وہ تو ہمہ وقت انفرادی طور پر کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اس کے لئے سب سے بہتر وقت تہجد کا وقت ہے یا دورانِ نماز کا

اگر ایصال اور دعا ہم معنی لفظ ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ تو اس سے ہمارا تو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ لیکن ایصال کے دعویداروں کی تعمیر کردہ تمام عمارت زمین بوس ہو جائے گی اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ہم قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ان

ایصال پرستوں کے نزدیک بھی دعا اور ایصال میں بہت بڑا فرق ہے۔ لیکن زباں سے جو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے وہ ڈوبتے کے لئے تنکے کا سہارا ہے۔ کیوں کہ ان کے پاس اس کے جواز کے صرف دو ہی سہارے ہیں۔ یا تو چند روایات جو مخالفت قرآنی کے باعث نا قابلِ عمل قرار پاتی ہیں۔ یا دعا کا نام لے کر عوام کو دھوکہ دینا۔

جہاں تک قرآنی دلائل کا تعلق ہے وہ ہم نے اتنی تعداد میں پیش کر دیئے ہیں کہ ان روایات پرستوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن اگر روایات پر ہم کوئی تبصرہ نہ کریں تو روایت پرست طبقہ ان روایات کا سہارا لے کر قرآن کی تاویل کر کے عوام کو بے وقوف بناتا رہے گا۔ اس لئے ہم آئندہ سطور میں روایات پر محدثانہ بحث کریں گے،

لیکن اس بحث سے قبل ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اپریل ۱۹۸۰ء میں میرے محترم دوست سعید اللہ کاظمی صاحب نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ایک مراسلہ مولوی محمد سرفراز خاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ مولوی صاحب مذکور علمائے دیوبند میں مشہور ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ میں نے خود ان کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن میں احسن الکلام" اور راہِ سنت" نامی کتابیں واقعتاً قابلِ تعریف ہیں

مولوی صاحب نے مراسلہ کا جواب نصف عربی اور نصف اردو میں ارسال کیا اور چوں کہ میرے دوست اور رفیق کار سعید اللہ کاظمی صاحب عربی سے واقف نہیں انہوں نے مجھے اسکا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ میں نے مولوی سرفراز صاحب کو ان کے دلائل کا جواب مختصر طور پر تحریر کیا۔ اس امید پر کہ مولوی صاحب علوم حدیث پر اچھی نگاہ رکھتے ہیں میرے ذہن پر یہ تاثر ان کی کتاب" احسن الکلام" دیکھ کر ہوا تھا۔ لیکن میں افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ میرے ذہن میں ان کی علمیت کا جو تاثر قائم ہوا تھا اسے ان کے جواب نے اس حد تک مٹا دیا کہ اس کا کوئی اثر تک باقی نہیں رہا جس کا مجھے از حد افسوس

ہے ۔اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قارئین کی خدمت میں وہ تمام خط وکتابت بھی پیش کردوں تاکہ قارئین کو بھی اندازہ ہوجائے کہ ہمارے علماء جب لاجواب ہوتے ہیں تو وہ کس قسم کا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں

جب سے یہ خط وکتابت ہوئی تھی۔اس وقت سے میرے دوست سعید اللہ صاحب اور دیگر اہل درس کا تقاضا تھا کہ میں اس مسئلہ پر قلم اٹھاؤں لیکن دیگر علمی کاموں کے باعث یہ ارادہ ملتوی ہوتا رہا حتیٰ کہ مئی ۱۹۸۲ء آگیا۔یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ مولوی سرفراز خاں صاحب کا پہلا خط ماہ مئی میں وصول ہوا۔اور اس کے جواب میں یہ کتاب بھی مئی میں شروع کی گئی۔

آئندہ سطور میں بعض مقامات پر مولوی سرفراز صاحب کو مخاطب تصور کرکے علماء کے دلائل کا جواب دیا گیا ہے۔ہمارے قلم سے اگر کوئی نازیبا لفظ نکل گیا ہو تو ہم اس کے لئے علماء سے بھی معذرت خواہ ہیں اور مولوی سرفراز صاحب سے بھی ہماری تحریر میں جو تنقیدی پہلو پایا جاتا ہے۔اسکی وجہ بھی یہی خط وکتابت ہے۔اور ہم اس پر مجبور بھی ہیں۔اس لئے کہ یہ دین کا معاملہ ہے ورنہ ذاتی طور پر ان حضرات سے ہمیں کوئی رنجش نہیں بلکہ اگر دین کا معاملہ نہ ہوتا تو ہم نہ یہ کتاب تحریر کرتے اور نہ یہ مراسلت شائع کرتے۔

آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ مولوی سرفراز صاحب وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے مجھ پر بلا دلیل منکر حدیث ہونے کا الزام لگایا۔ورنہ آج تک علماء دیوبند میں سے کسی نے بھی مجھ پر یہ الزام قائم نہ کیا تھا۔حتیٰ کہ میری متعدد کتابوں پر علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم۔مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب مرحوم۔علامہ محمد یوسف بنوری مرحوم اور دیگر علماء کی تقریظات شائع شدہ موجود ہیں۔ان حضرات نے جہاں میری تحریرات سے اتفاق کیا ہے وہاں میرے لئے دعائے خیر بھی فرمائی ہے۔

مجھ پر یہ الزام کہاں تک عائد ہوتا ہے یہ تو قارئین آئندہ سطور میں خود ملاحظہ فرمالیں گے لیکن میں اللہ کو حاضر وناظر تسلیم کرتے ہوئے یہ بات کہنے کے لئے تیار ہوں کہ میرے ذہن کے کسی

گوشۂ میں کبھی بھی یہ سودا نہیں سمایا۔ لیکن جس روایت کو خود متقدمین اور محدثین نے مجروح قرار دیا ہو۔ میں اس پر اپنے ایمان کی بنیاد قطعاً قائم نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی صورت میں حدیث کو قرآن پر ترجیح دے سکتا ہوں۔

ہاں مجھے اپنے علماء سے یہ شکایت ضرور ہے کہ جب فروعی مسائل کا معاملہ آتا ہے مثلاً فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین اور آٹھ رکعت تراویح اس وقت تو ہمارے علماء خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد، رجال اور جرح و تعدیل کے سب دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور صحیح سے صحیح روایت پر بھی تنقید جائز ہوتی ہے۔ لیکن دیگر مسائل میں یہ حرمت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ للہ کچھ تو انصاف سے کام لیجئے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ حضرات کسی روایت پر بحث کریں تو وہ قطعاً جائز، لیکن اگر ان کی لابی سے باہر کا کوئی فرد تنقید کرے تو وہ مجرم۔ اس کا فیصلہ تو اللہ کے روبرو ہوگا کہ ہم میں سے مجرم کون ہے۔ ہم نے آج تک کسی روایت پر اس وقت تک تنقید نہیں کی، جب تک اس پر ابتدائی دور کے محدثین نے تنقید نہ کی ہو۔ ہم اسلاف کے طریقہ کار سے آج تک ایک قدم باہر نہیں گئے۔ اندرونِ خانہ ہمارے علماء کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں۔ اور اپنی من مانی کارروائیوں کے لئے کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ہم اس کی تشہیر کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ علماء نے اولاً تو اپنے اس طرزِ عمل سے عوام میں خود ہی اپنا تاثر ختم کر دیا ہے۔ اور ہم یہ قطعاً پسند نہیں کرتے کہ بچا کھچا تاثر بھی ختم ہو کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

مراسلت

محترمی و مکرمی جناب مولوی سرفراز خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جناب کی کتاب " راہ سنت " مطالعہ میں ہے ، نہایت کارآمد کتاب ہے جس سے مسائل سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن اس میں ایک مسئلہ ایسا بھی درج ہے جو کہ خلش کا باعث بنا ہوا ہے۔ اور جسے عقل تسلیم کرنے سے گریزاں ہے۔ والا جناب نے، تحریر فرمایا ہے کہ مالی عبادت کا ثواب میت کو ایصال کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ میت کو پہنچتا ہے یعنی عمل ہم کریں اور ہماری فرمائش پر اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کسی مردے کے کھاتے میں لکھا جائے تاکہ گناہوں کے مقابلے میں ثواب کا تناسب زیادہ سے زیادہ ہو جائے اور وہ مغفرت کا حقدار بن جائے۔ دل کو اطمینان اس لئے بھی نہیں ہو رہا ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی ایصال ثواب کا ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ یہ ملتا ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہ اٹھائیگا۔ قیامت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اور یہ کہ صرف ہمارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بلکہ زیادہ دیا جائے گا۔

ناقص معلومات کے مطابق احادیث مبارکہ میں کہیں بھی صراحتاً ثواب کی منتقلی بیان نہیں کی گئی۔ جن طریقوں سے ہم مُردوں کے نام ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ان طریقوں کا استعمال نہ تو صحابہ کرام میں پایا جاتا ہے اور نہ تابعین و تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں ملک عرب میں تو ایصال ثواب کا طریقہ نہ پہلے کبھی رائج رہا ہے اور نہ اب ہے۔ اتنے

مفید عمل سے اہلِ عرب کا ناواقف رہنا تعجب خیز سی بات ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ حضرات واقف تو ہوں لیکن عمل کوئی نہ کرتا ہو۔ اگر ہم ایصال ثواب کے اصول کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ گناہ بھی ایصال ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں مردوں کو جنت و دوزخ میں داخل کرنا ہماری اختیاری بات ہو جائے گی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ پر دباؤ ڈالنا نہ کہلائے گا کہ ایصالِ ثواب کے ذریعہ میزان عدل میں نیکیوں کی بھرمار کر کے اللہ تعالیٰ کو مغفرت پر مجبور کیا جائے۔ یہ منطق بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ اگر مالی عبادت کا ثواب منتقل کیا جا سکتا ہے تو بدنی عبادت کا کیوں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔

اس مسئلہ میں آپ جیسے بعض علماء سے جو کچھ سننے میں آیا ہے" اس سے اور ان احادیث کے مضامین سے جو عام طور پر تائیداً پیش کی جاتی ہیں۔ پتہ صرف اس قدر چل رہا ہے کہ میت کو دوسروں کے اعمال کا فائدہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ان افعال میں میت کی کسی نہ کسی طرح شرکت رہی ہو۔ مثلاً مرنے والا وصیت کر گیا ہو۔ یا نیت کی ہو۔ لیکن عمل نہ کر سکا ہو اور رفوت ہو گیا ہو۔ جس کی تکمیل ورثاء وغیرہ نے مردے کے مال سے کر دی ہو۔ چنانچہ سعد بن عبادہؓ والی حدیث جسکو عموماً سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کی ہے۔ ان کی والدہ نے مال خرچ کرنے کی نیت کی تھی۔ وہ ارادہ پورا کرنے سے قبل فوت ہو گئیں حضور نے ان کے اس ارادے کو اللہ کا قرض قرار دیا چونکہ قرض کی ادائیگی ورثاء کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔ اس لئے من جانب والدہ کنواں کھود نے وغیرہ کی اجازت دیدی گئی منت والدہ کی تھی، مال بھی انہیں کا چھوڑا ہوا تھا۔ والدہ کی جانب سے صرف کنواں کھودنے یا کھدوانے کا کام حضرت سعد بن عبادہ نے انجام دیا۔

ایک حدیث مبارکہ ایسی بھی نظر سے گذری ہے۔ جس میں یہ درج ہے کہ صحابہ نے حضور اکرمؐ سے دریافت فرمایا۔ کہ ہم اپنے مرنے والوں کو کس طرح فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو جواب یہ مرحمت فرمایا گیا کہ دعائے مغفرت کی جائے۔ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ

ایصالِ ثواب فائدہ مند عمل ہرگز نہیں ہے۔ فائدہ مند ہوتا تو حضور ضرور ارشاد فرماتے
سود مند ہوتے ہوئے بیان نہ کرنا۔ اخفائے دین بن جائیگا۔ جو کہ ایک نبی سے ممکن نہیں
دریں حالات اس سلسلہ میں جو تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ براہِ کرم اس کو قرآن و
احادیث صحیحہ کی روشنی میں رفع فرمائیں۔ اور صحیح صورت حال سے روشناس کرائیں
تو نوازش ہو گی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا

والسلام
بندۂ عاصی
سید اللہ کاظمی

نقلِ خط من جانب مولوی سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ۔

منجانب ابن الزاہد۔

الیٰ محترم المقام جناب صاحب دام برکاتہم

وعلیکم وعلیٰ من لدیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپکا طویل گرامی نامہ موصول ہوا، یاد آوری، کرمفرمائی، حسن ظنی اور ذرہ نوازی
کا تہ دل سے صد شکریہ، ورنہ من آنم کہ من دانم

محترم۔ راقم اثیم بے حد مصروف رہتا ہے اور بڑھاپا اور علالت اس پر مستزاد ہے

مسائل کے جوابات ادارے کے مفتی صاحب ہی لکھا کرتے ہیں، اس وقت وہ یہاں موجود نہیں ہیں چھٹی پر گھر گئے ہوئے ہیں، اس لئے راقم اثیم ہی چند ارشادات کئے دیتا ہے آپ نے بزعم خویش احادیث سے ایصالِ ثواب کی ثابت شدہ جملہ صورتوں کی یہ فرما کر پیش بندی کر دی ہے کہ وصیت وغیرہ نہ ہو، معاف رکھنا اس طرح کی قیود لگا کر مطالبہ کرنے سے قرآن کریم اور صحیح حدیث سے یکجا کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ثابت کرنا بھی مشکل ہوجائے گا۔ ہم نے قرآن کریم اور حدیث شریف کے علاوہ اُمت کے تعامل کو بھی دیکھنا ہے۔ بایں ہمہ وصیت کے بغیر بھی ایصالِ ثواب کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود و مذکور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں۔

واما وصول ثواب الصدقة ففی الصحیحین عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا ان رجلا قال یا رسول اللّٰہ ان امی افتلتت نفسہا ولم توص واظنہا لو تکلمت تصدقت افلہا اجر ان تصدقت عنہا قال نعم

اور صدقہ کے ثواب کا پہونچنا صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللّٰہ میری ماں اچانک مرگئی اس نے کوئی وصیت نہ کی تھی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کلام کرتی تو صدقہ ضرور کرتی۔ اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں، کیا اسے اجر ملے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ متوفاۃ نے وصیت نہیں کی تھی صرف زندہ بزرگ اپنی رائے اور ظن کا ذکر فرما رہے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے نعم فرما کر اس کا اثبات فرمایا۔

وفی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ　　صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے

ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابی مات و ترک مالا ولم یوص فھل یکفی عنہ ان اتصدق عنہ قال نعم ۔ کتاب الروح صـ ۱۴۸	کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا باپ مر گیا ہے ۔ اور اس نے مال چھوڑا ہے ۔ لیکن کوئی وصیت نہیں کی اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں ۔ کیا اس جانب سے وہ کافی ہوگا ۔ آپ نے فرمایا ہاں

اس صحیح روایت میں بھی تصریح ہے کہ مرنے والے نے وصیت نہیں کی تھی ۔ اور زندہ اس کی طرف سے صدقہ کرنا چاہتا تھا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اثبات فرمایا ۔

مشکوٰۃ صـ ۱۲۸ میں مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، اور دارمی کے حوالہ سے روایت ہے کہ آپ دو مینڈھے قربان کیا کرتے تھے ۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک امت کے ان افراد کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے تھے بعض الفاظ یہ ہیں ۔

اللھم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی	اے اللہ یہ میری جانب سے اور میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی ۔

اور اس میں بجز ایصال ثواب کے اور کچھ نہیں ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ دعوات صالحات میں نہ بھولیں ۔ بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعاگو ہے ۔ والسلام

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز گکھڑ ۸ مئی ۱۹۸۰

الجواب

من جانب حبیب الرحمان کاندھلوی

الی محترم المقام جناب مولوی سرفراز صاحب دام فیوضہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں آنجناب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آنجناب نے از خود جو جواب تحریر فرمایا اس سے مجھے مسرت حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ فدوی کی غرض تحقیق ہے حصولِ فتویٰ نہیں اس لئے کہ میرے نزدیک اصل مفتی انسان کا قلب سلیم ہے۔ بشرطیکہ انسان، صاحب علم ہو۔ کیوں کہ ارشادِ رسول ہے۔

دع ما یریبک الی مالا یریبک	جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کر جو شک میں نہ ڈالتی ہو۔

اور

اتق ماحاک فی الصدر	جو بات دل میں کھٹکے اس سے بچ

آنجناب بھی اس بات کا بخوبی علم رکھتے ہیں کہ علماء نے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا جواز ثابت کیا ہے۔ کوئی شخص بھی اس کے وجوب یا سنت کا قائل نہیں اور یہ بھی آپ کے علم میں ہے کہ اگر کسی شئے کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو تو اسے بدعت ہی تصور کیا جائے گا، اور اس اصول کو آنجناب نے "راہِ سنت" میں بیان فرما کر اس اصول سے بہت سے مسائل بھی حل فرمائے ہیں۔

یہ بھی آپ کے علم میں ہے کہ کلام اللہ میں ایصال ثواب کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ثواب و جزا کو انسان کے اپنے ذاتی عمل پر موقوف فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥ — یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ البقرہ ۱۴۸ — ان کے لئے ان کی کمائی ہے۔ اور تمہارے لئے تمہاری کمائی۔ ۲ : ۱۴۸

وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ٥ یٰسٓ ۵۴ — اور تم جزا نہیں دیئے جاؤ گے۔ مگر ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے۔ ۳۶ : ۵۴

یہ تمام آیات عام ہیں اور خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص احناف کے نزدیک قطعاً جائز نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ تخصیص بھی ایک قسم کا نسخ ہے۔ اور خبر واحد کے ذریعہ قرآن کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک تعامل کا مسئلہ ہے تو اگر صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا اس پر تعامل ہوتا تو مجھے اس دلیل کے قبول کرنے میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہوتا۔ لیکن مجھے اس میں ان حضرات کا کوئی تعامل نظر نہیں آتا۔ اور موجودہ دور میں اسے ایک لازمہ دین تصور کر لیا گیا ہے۔ جس کے غالباً آنجناب بھی قائل نہ ہوں گے۔

جہاں تک آپ کی بیان کردہ احادیث کا تعلق ہے تو اس میں سب سے بہترین حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے جو اکثر کتب حدیث میں مروی ہے۔ لیکن اس حدیث کے جو الفاظ آنجناب نے نقل فرمائے ہیں وہ قابلِ غور ہیں۔ اس لئے کہ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عن عائشہ ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا — حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک مر گئی اور میرا خیال ہے کہ اگر اسے

وارادها لو تکلمت تصدقت	کلام کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتی۔ کیا میں
افاتصدق عنها قال رسول	اسکی طرف سے صدقہ کرسکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا
اللہ صلی علیہ وسلم نعم	"ہاں"

صحیح بخاری جلد اول ۳۸۶، موطا مع کشف المغطی ۱۲۸

امام مالک اور امام بخاری کی روایت میں یہ الفاظ قطعاً نہیں پائے جاتے کہ مرنے والی نے کوئی وصیت نہیں کی تھی۔ بلکہ مذکورہ الفاظ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ اچانک موت کے باعث وہ مر گئیں۔ لیکن اگر انہیں موقع ملتا تو ضرور وصیت کرتیں۔ ان کے صاحبزادے کو یہ تخیل کیسے پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ پس منظر ہوگا۔ اور کچھ نہ کچھ اس کے اسباب ضرور پائے جاتے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسکا تذکرہ کیا ہو۔ اور آپ ہی کا پیش کردہ اصول ہے۔

صاحب البیت ادری مافیہ	گھر والا گھر کے حالات کو زیادہ جانتا ہے۔

تو اب اس نیت کو صاحبزادے عملی جامہ پہنانا چاہتے ہوں۔ اسی لئے یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوئے "کہ اگر میری" ماں کو موقعہ ملتا تو ضرور صدقہ کرتیں۔" اس صورت میں یہ عمل ان کی والدہ کا سمجھا جائیگا۔

امام مالک نے جو الفاظ روایت کئے ہیں وہی الفاظ امام حمادؒ بن زید، امام یحییٰ بن سعید القطان، علیؒ بن مسہر، شعیب بن اسحاق، روحؒ بن القاسم اور جعفرؒ بن عون بھی بیان کر رہے ہیں۔ اور آنجناب نے ابن القیم کے حوالہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ وہ صرف ابو اسامہ کی روایت کے الفاظ ہیں۔ جو تمام رواۃ کی روایت کے خلاف ہیں اتفاق سے ابو اسامہ مدلس ہے، اور آخر عمر میں وہ دوسروں کی کتابوں سے روایات بیان کرنے لگا تھا۔ اور اگر یہ ثقہ بھی ہو، تب بھی امام مالک، حماد بن زید اور یحییٰ بن القطان جیسی ہستیوں کے مقابلے میں اس کی روایت کسی صورت میں حجت نہیں ہو سکتی

کیوں کہ ایک ثقہ راوی جب اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو وہ روایت منکر کہلاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنجناب نے اس حدیث کی خود تحقیق نہیں فرمائی۔ بلکہ مقلدانہ طور پر کلیتہً علامہ ابن القیم کے حوالہ پر اعتماد فرمایا۔

اس حدیث میں ایک غور طلب امر یہ بھی ہے کہ شعیب اور جعفر بن عون تو یہ الفاظ نقل کر رہے ہیں۔

افلها اجر — کیا اسے اجر ملے گا؟

جب کہ بقول امام مسلم بقیہ تمام رواۃ کے یہ الفاظ ہیں۔

افلی اجر — کیا مجھے اجر ملے گا۔؟

ایسی صورت میں اس حدیث کا ایصال ثواب سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رہتا بلکہ وارث اپنے اجر کے لئے یہ عمل کر رہا ہے۔

جہاں تک حدیث ابو ہریرہؓ کا تعلق ہے تو یہ حدیث مسلم ونسائی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن ان کتابوں میں آپکا پیش کردہ یہ جملہ

فهل یکفی عنه — کیا یہ صدقہ اس کی طرف سے کافی ہوگا۔

ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں

فهل یکفر عنه ان اتصدق — اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں۔ کیا یہ اس کی طرف سے کفارہ ہوجائے گا۔

علامہ ابن القیم کی یہ دوسری بھول ہے اور ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ الفاظ تو یہ ثابت کر رہے ہیں کہ کسی کفارے کا معاملہ تھا۔ جو مرنے والے کے ذمہ واقع ہوگیا تھا۔ لیکن راوی صحیح طور پر اس واقعہ کو نقل نہ کر سکا۔

نیز اس حدیث کے راوی علاء بن عبدالرحمان کے بارے میں محدثین کا اختلاف

ہے۔ بعض اسے ثقہ اور بعض ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن اس کی بیان کردہ حدیث کو کوئی حجت نہیں مانتا۔ ایسی صورت میں یہ حدیث قطعاً دلیل نہیں بن سکتی۔ اور علاء کے علاوہ کوئی اسے روایت نہیں کرتا۔

رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کی جانب سے قربانی۔ اسے بھی قطعاً ایصال ثواب نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس قربانی میں زندہ افراد بھی شامل ہیں۔ اور ایسے افراد بھی شامل ہیں جو اس وقت عالم وجود میں نہ آئے تھے۔ بلکہ اس میں ایسے لاتعداد افراد بھی داخل ہیں جو تا حال ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ اور اس کا کوئی قائل نہیں کہ زندہ افراد یا پیدا ہونے والی نسلوں کو بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے۔

ہاں شیعوں کے بقول جعفر بن محمد نے اپنی ہی زندگی میں اپنا کونڈا کرا لیا تھا۔ اگرچہ ۱۹۰۶ء تک کسی نے بھی ان کی سنت پر عمل نہیں کیا۔ ۱۹۰۶ء میں امیر مینائی کے خاندان کے ایک فرد نے یہ کہانی وضع کر کے جعفر بن محمد کی جانب منسوب کر دی۔

کیا ان دونوں صورتوں یعنی زندوں کے لئے ایصال ثواب اور آنے والی نسلوں کے لئے ایصال ثواب پر بھی تعامل پایا جاتا ہے۔؟ اس صورت میں اس حدیث کا ایصال ثواب سے کیا تعلق ہے۔ وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

حضور نے امت کے ان افراد کی جانب سے جو قربانی نہ کر سکیں اس لئے قربانی ادا فرمائی کہ حضور پوری امت کے دلی اور وارث تھے: ارشاد الٰہی ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ الاحزاب ۶ — نبی مومنین کے ان کی جانوں سے زیادہ حقدار ہیں۔ ۶:۳۳

اور حدیث میں بھی ہے

انا اولی المومنین من انفسہم — میں مومنین کا ان کی جانوں سے زیادہ حقدار ہوں

یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر اس شخص کا قرضہ اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ جو مقروض مرا ہو، اور مرتے وقت کچھ مال نہ چھوڑا ہو، اسی طرح جن لوگوں نے قربانی نہیں کی یا آئندہ قربانی نہ کر سکیں۔ ان کی ذمہ داری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیتے ہوئے بطور نیابت ان سب کی جانب سے قربانی ادا فرمائی۔ کیوں کہ آپ امت کے باپ تھے

ویسے بھی آنجناب نے اس روایت کو نقل کرنے میں دو مغالطے کھائے ہیں۔

اوّل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل زندگی میں صرف ایک بار انجام دیا تھا نہ کہ ہر سال جیسا کہ آپ نے دعویٰ کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ آپ ہر سال کا بہانہ بنا کر برسیوں اور عرسوں کو بھی دین میں داخل فرمالیں گے۔ حضرت جابر کے الفاظ ہیں،

شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الاضحى فى المصلى فلما قضى خطبته نزل من منبره واتى بكبش فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده وقال بسم الله والله اكبر هذا عنى وعمن لم يضح من امتى	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بقر عید کے دن عید گاہ میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے خطبہ پورا فرمایا تو منبر سے نیچے اترے۔ اور ایک مینڈھا لایا گیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔ اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر یہ میری جانب سے اور میری امت کے ان افراد کی جانب سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔

ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲ ترمذی ج ۱ ص ۲۱۹

آنجناب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ جس سال یہ قربانی انجام دی گئی، اس سال صرف ایک مینڈھا ذبح کیا گیا تھا۔ اور یہ مینڈھا آپ نے اپنی اور امت کی ان افراد کی جانب سے قربان کیا۔ جو قربانی نہ کر سکیں جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے عیاں ہے۔ اور ابن ماجہ کی جن روایات میں دو مینڈھوں کا ذکر ہے۔ یا ہمیشہ

امت کی جانب سے قربانی کا ذکر ہے۔ وہ تو اپنے ضعف کے باعث قابلِ اعتنا بھی نہیں۔ صحابۂ کرام اور ائمہ، فقہاء و محدثین نے اس حدیث سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آپکے اخذ کردہ نتیجے کے بالکل خلاف ہے۔ امام ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

کان الرجل یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ فیاکلون و یطعمون حتی تباھی الناس فصارت کما تری	آدمی اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانب سے ایک بکری ذبح کیا کرتا تھا۔ اسے خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ حتیٰ کہ لوگ قربانی پر فخر کرنے لگے۔ اب صورت حال تم خود دیکھ رہے ہو۔

اس کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں۔

وَالعمل علی ھذا بعض اھل العلم وھو قول احمد واسحاق واحتجا بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ضحی بکبش فقال ھذا عمن لم یضح من امتی ترمذی ج ۱ ص ۲۱۷	اور اسی حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے یہی قول ہے امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق بن راہویہ کا اور انہوں نے بطور دلیل یہ حدیث پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا قربان کیا۔ اور فرمایا یہ میری اور امت کے ان افراد کی جانب سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔

گویا ان حضرات نے اس حدیث سے ایصال ثواب کے بجائے پورے گھر کی جانب سے ایک قربانی کا جواز ثابت کیا۔ ایسی صورت میں اس حدیث سے ایصال ثواب ثابت کرنا کیسے درست ہوگا۔ جب کہ صحابۂ کرام ایک ہی جانور میں اپنے گھر والوں کو بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو کیا وہ اپنے زندہ گھر والوں کے لئے ایصال ثواب کیا

کرتے تھے۔ بینوا توجروا

والسلام

حبیب الرحمان کاندھلوی

جواب منجانب مولوی محمد سرفراز صاحب:

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

منجانب ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب ... ... زید لطفہٗ

ہدیہ مسنونہ اسلام کے بعد گذارش ہے کہ آپ نے محض الحجاوی کا طریق اور منکرین حدیث کا ذہن جس طرح پہلے خط میں اختیار کیا تھا، آپ کے اسی جواب کی جو جناب محترم کاندھلوی صاحب کے نام سے ارسال کیا گیا ہے۔ توقع تھی کہ جب الگ الگ سیاق کی تمام حدیثوں کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کی زنجیر سے جکڑ دیا جائے اور صحیحین کے مسلم اور ثقہ راویوں میں کیڑے نکالے جائیں۔ اور اکابر کے دامن کو ترک کر دیا جائے اور اپنی تحقیق اور قلم ہی پر بھروسہ ہو۔ اور اعجاب کل ذی رائی برایہ کا مظاہرہ ہو تو معاف رکھنا قرآن وحدیث سے کلمۂ توحید بھی یکجا ثابت کرنا کار دارد

چونکہ راقم معمر اور علیل ہے اور یکم شعبان سے آخر رمضان دورۂ تفسیر بھی بفضلہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور فرصت بالکل نہیں ملتی۔ اس لئے آپ کسی فارغ البال سے رابطہ قائم کرلیں تاکہ وہ آپ سے الجھتا رہے۔ راقم اثیم بالکل معذور ہے اور آئندہ آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیگا انشاء اللہ العزیز نیک دعاؤں میں نہ بھولیں۔ راقم بھی دعاگو ہے۔

والسلام

من جانب ابی الزاہد محمد سرفراز از گکھڑ ۔ ۳۰ رجب ۱۴۰۰ھ
۱۴ جون ۱۹۸۰ء

ان خطوط سے قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اصل سوالات سے مولوی سرفراز صاحب نے کس طرح راہ فرار اختیار کی ہے۔ جواب نہ ہونے کی صورت میں ہم پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ اور ہم پر یہ الزام قائم کر دیا کہ ہم بخاری مسلم کے ثقہ راویوں میں کیڑے نکالتے ہیں۔ حالانکہ خود مولوی سرفراز نے اپنی کتاب "احسن الکلام" میں مسلم کے متعدد راویوں میں کیڑے نکالے ہیں۔ اور امام بخاری کو بھی ہدف بنایا ہے بلکہ محاورے سے ہٹ کر انہوں نے امام بخاری کی ذات میں اچھے خاصے کیڑے بھر دیئے ہیں۔ حیرت ہے کہ جو کام ان کے لئے جائز ہے وہ ہمارے لئے حرام ہے تفصیلی جوابات تو آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے لیکن میں قارئین کی اس جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب مذکور نے کیڑے نکالنے کا محاورہ اتفاقاً کسی سے سن لیا ہو گا۔ ورنہ فارغ البال ہونا اور بالکل معذور ہونا یہ بھی محاورات ہیں۔ جن کا مولوی صاحب نے قطعاً غلط استعمال کیا ہے۔ معذور تو اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے ہاتھ پاؤں جواب دیدیں۔ مصروف کے معنیٰ میں معذور استعمال نہیں ہوتا۔ اور فارغ البال اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جس کے بیوی بچے نہ ہوں غیر مصروف الشان کو فارغ البال نہیں کہتے۔

خط کی ابتداء میں مولوی صاحب نے زید لطفہ لکھ کر ہمیں یہ دھوکا دینا چاہا ہے کہ وہ ہماری مزید مہربانیوں کے طلب گار ہیں غالباً یہ جملہ لکھنے کے بعد خیال آیا کہ یہ طلب نہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ اس لئے۔ وہ بعد میں عدم لطف کے طلب گار بن کر ہم سے خط و کتابت سے بھی گریزاں ہیں۔

صدقۂ جاریہ

دعا کے علاوہ مردے کو فائدہ پہنچانے کی ایک صورت اور بھی ہے۔ اور وہ صدقۂ جاریہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کر کے مرے جس کا اجر اسے بعد میں بھی ملتا رہے۔ مثلاً مسجد و مدرسہ وغیرہ کی تعمیر، یا کوئی ایسا کام کر کے مرنا جس سے اس کے مرنے کے بعد زندوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔ مثلاً ضرورت مندوں کے لئے کوئی ہسپتال تعمیر کرنا۔ یا دین کی تعلیم دینا۔ کتابیں وقف کرنا۔ اولاد کو نیک تربیت دینا وغیرہ یہ سب صدقہ جاریہ ہیں۔

اگر کوئی انسان اپنی زندگی میں یہ امور انجام نہ دے سکا تھا۔ لیکن اس نے اپنے ورثاء کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے تہائی مال سے میرے لئے تعلیم قرآن کا مدرسہ کھول دینا۔ یہ تمام امور صدقۂ جاریہ ہیں۔ اگرچہ فقہی نقطۂ نگاہ سے اس عمل یا وصیت کا تعلق مال سے ہے

تو اسے صدقہ جاریہ کہا جاتا ہے۔ اور اگر اسکا تعلق تعلیم وتعلم اور اولاد کی تربیت سے ہے تو اسے سنتِ جاریہ کہتے ہیں۔ قارئین کرام اسے خواہ کچھ بھی نام دے لیں مقصود تو صرف اتنا ہے کہ یہ عمل مرنے والے کا تصور کیا جائے گا۔ کیوں کہ اسی نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور اسی کے مال سے اور اسی کے حکم سے یہ کام انجام دیا گیا تھا۔ اس لئے اجر کا بھی وہی مستحق ہے لیکن جس عمل میں مرنے والے کا کوئی دخل نہ ہو اس کا اجر اسے ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا۔ جیسا کہ قرآن کی لاتعداد آیات اس کی شہادت دے رہی ہیں جن میں سے بیشتر ہم نے سابقہ صفحات میں پیش کی ہیں۔

ہمارا یہ دعوی بلا دلیل نہیں۔ بلکہ اس کی سب سے اہم دلیل تو قرآن کا وہ اصول ہے جو ہم نے سابقہ صفحات میں پیش کیا ہے اور اس کی مزید دلیل وہ احادیث ہیں جو اس کی تائید میں متعدد کتبِ احادیث میں پائی جاتی ہیں جن سے اُن روایات کی تردید ہو جاتی ہے جو ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں ہمارے مولوی پیش کرتے رہتے ہیں۔

امام مسلم اور امام نسائی وغیرہ نے حضرت انس سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یتبع المیت ثلاثہ اھلہ وما لہ وعملہ فیرجع اثنان اھلہ ومالہ ویبقی واحد عملہ	میت کے پیچھے پیچھے تین چیزیں چلتی ہیں اس کے گھر والے، اسکا مال اور اسکا عمل گھر والے اور مال تو واپس لوٹ آتے ہیں، اور ایک (یعنی اسکا عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔
نسائی ج ۱۰۷ ص ۱۹۵۱ ص ۴۰۷	

یہ حدیث وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کر رہی ہے کہ مرنے والے کے ساتھ جانے والی شئے صرف اسکا ذاتی عمل ہے بقیہ چیزیں پیچھے پڑی رہ جائیں گی حتیٰ کہ وہ مال بھی جس سے ایصالِ ثواب کے پارسل روانہ کیے جا سکتے ہیں اور پارسل بھیجنے والے وارثین بھی۔ بلکہ

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ورثاء یا اس کا مال اسے کچھ فائدہ پہنچا سکتا تو یہ دونوں چیزیں بھی عمل کی طرح اس کے ساتھ رہتیں یعنی یہ بھی ساتھ میں دفن ہوتیں یعنی اس کام کے لئے "ستی" کی رسم موزوں رہتی۔ اور جب اسلام میں اس رسم کا کوئی وجود نہیں تو اب وارث بیچارہ اپنے عمل سے اسے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے

اگر کسی قسم کے مال سے مرنے والے کو فائدہ پہنچتا اور اس صورت کا شریعت میں کوئی وجود ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس استثنائی صورت کی بھی ضرور وضاحت فرماتے۔ لیکن حضور نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اس قسم کی کوئی صورت اسلام میں نہیں پائی جاتی۔

اس کی تائید مزید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کے ذریعہ ان الفاظ میں مروی ہے۔

اذا مات الانسان انقطع عمله	جب انسان مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع
الا من ثلثة من صدقة	ہو جاتا ہے۔ مگر تین قسم کا عمل، صدقہ
جارية وعلم ينتفع به وولد	جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے
صالح يدعو له	اور نیک لڑکا جو اس کے لئے دعا کرے۔

مسلم ج ۲ ص ۴۱ نسائی ج ۲ ص ۱۳۱ ابو داؤد ج ۲ ص ۴۲

اس حدیث نے حتمی طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو صرف تین ذرائع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ان تین ذرائع کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں کوئی اور ذریعہ موجود نہیں۔ جن روایات سے کوئی ایسا اور ذریعہ ثابت ہوتا ہے تو ان روایات میں سے بیشتر تو ناقابل اعتبار ہیں اور جو ثقہ راویوں کے ذریعہ مروی ہیں تو اول تو ان کے الفاظ میں اختلاف ہے جس کی وضاحت ہم آئندہ صفحات میں کریں گے، ثانیاً وہ مخالف قرآن ہونے کے باعث ناقابل قبول ہیں اور پھر یہ احادیث بھی اس کی نفی کر رہی ہیں۔

ہمارے اس دعویٰ کی تائید میں متقدمین کے وہ الفاظ پیش کئے جا سکتے ہیں جو انہوں نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہے ہیں۔ جلال الدین سیوطی "زہر الربی شرح نسائی" میں لکھتے ہیں

قال الشیخ ولی الدین انما اجری علی ھؤلاء الثلاثة بعد موتھم لوجود ثمرۃ اعمالھم بعد موتھم کما کانت موجودۃ فی حیاتھم

شیخ ولی الدین (مصنف مشکوٰۃ) کہتے ہیں کہ لوگوں کے مرنے کے بعد ان تین امور کے جاری رہنے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان اعمال کا ثمرہ ان کی موت کے بعد بھی اسی طرح جاری رہتا ہے جس طرح انکی زندگی میں جاری تھا۔

قال القاضی عیاض ان عمل المیت منقطع بموتہ لکن ھذہ الاشیاء لما کان ھو سببھا من اکتسابہ الولد وبثہ العلم عند من حملہ عنہ او ایداعہ تالیفا بقی بعدہ وایقافہ ھذہ بقیت لہ اجورھا

قاضی عیاض فرماتے ہیں مرنے والے کا عمل موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے لیکن چوں کہ ان امور کا وہی سبب تھا یعنی اولاد کے نیک بننے میں اس کی کوشش کو دخل تھا۔ علم کو پھیلانے میں کہ لوگ اس سے علم حاصل کریں یا کتاب لکھنے میں جو اس کی موت کے بعد باقی رہے اس لئے ان چیزوں کا اجر بھی باقی رکھا گیا۔

نسائی ج ۲ ص ۱۱۲

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔

قال العلماء من الحدیث ان عمل المیت ینقطع بموتہ وینقطع تجدد الثواب لہ

علماء کہتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے کا عمل موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے اور ثواب کا اجراء بند ہو جاتا

الا من هذه الاشياء الثلاثة
لكونه كان سببها
فان الولد من كسبه و
كذا العلم الذي خلفه من
تصنيف او تعليم وكذلك الصدقة
الجارية وهي الوقف مسلم ج ۲ ص ۴۱

ہے۔ بجز ان تین صورتوں کے اس لئے کہ مرنے
والا ان تینوں صورتوں کا سبب تھا چونکہ
اولاد بھی اسکی محنت تھی۔ اپنے پیچھے علم چھوڑ
کر جانا خواہ وہ بذریعہ تعلیم ہو یا تصنیف ہو اسی
طرح صدقہ جاریہ اور وقف ان سب امور
کا مرنے والا سبب تھا۔

بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو وارث کے مال کو اپنے مال سے زیادہ محبوب رکھتا ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں تو صرف اپنا مال محبوب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا

ان ماله ما قدم ومال
وارثه ما اخر
بخاری ج ۲ ص ۹۵۳

یقیناً اس کا مال تو وہ ہے
جو اس نے خیرات کر کے آگے
بھیج دیا۔ اور جو پیچھے چھوڑ کر
مرا وہ اس کے وارث کا مال
ہے

یعنی انسان نے اپنی زندگی میں جس چیز کا صدقہ کر دیا وہ تو اسکا ہے۔ اور جو پیچھے چھوڑ کر مر گیا۔ وہ اس کا مال نہیں۔ بلکہ وہ تو وارث کا مال ہے اور انسان کو اپنے مال پر حق ہوتا ہے نہ کہ غیر کے مال پر۔ لہٰذا متروکہ مال تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ صرف وہی مال فائدہ پہنچا سکتا ہے جو انسان اپنی زندگی میں آگے روانہ کر چکا ہے۔ یہ حدیث بعینہ قرآن کی ان آیات کی تفسیر ہے جن میں لفظ ما قدمت استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً:

ذلك بما قدمت
ايديكم آل عمران ۱۸۲

یہ تو وہ اعمال ہیں جو تم نے اپنے ہاتھوں
آگے روانہ کئے تھے۔ ۳ : ۱۸۲

امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں حضرت ابو اسیدؓ الفاری سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں اپنے ماں باپ کی موت کے بعد اُن سے کس طرح بہتر سلوک کر سکتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا

خصالِ اربع الدعاء لهما والاستغفار لهما وانفاذ عهدهما واکرام صدیقهما وصلتا لرحم التی رحم لک من قبلهما۔	چار باتوں میں۔ ان کے لئے دعا کرنا ان کے عہد کو پورا کرنا۔ ان کے دوست کی تکریم کرنا۔ اور ان لوگوں سے صلہ رحمی کا سلوک کرنا جن سے تیرا رحمی تعلق ان سے پہلے سے ہے۔

الادب المفرد ص۹

یعنی مرنے والے ماں باپ کے ساتھ اگر بھلائی کرنی مقصود ہے تو وہ فاتحہ اور قرآن خوانی کے ذریعہ ممکن نہیں۔ بلکہ اس کی چند ہی صورتیں ہیں جن پر شاید ہی کوئی عمل پیرا ہوتا ہو۔

ایک حدیث میں ارشادِ رسول ہے کہ مرنے کے بعد میت کے درجے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ جب کوئی درجہ بلند ہوتا ہے تو مرنے والا سوال کرتا ہے۔

ای رب ای شئ هذه	اے میرے پروردگار یہ درجہ کی بلندی کیسے ہوئی۔

بارگاہِ الٰہی سے جواب آتا ہے

ولدك استغفر لك	تیری اولاد نے تیرے لئے دعائے مغفرت کی۔

الادب المفرد ص۹

یہ ہے وہ اصل ایصال جس سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ مفید اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اولاد زندہ رہتی ہے۔ اور اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے اور کہتی رہتی ہے

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ۝ بنی اسرائیل ۲۴ — اے میرے پروردگار ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھ پر مہربانی کی تھی۔ ۱۷، ۲۴

افسوس تو یہ ہے کہ شریعت نے مُردوں کو فائدہ پہنچانے کا جو طریقہ وضع کیا تھا۔ اسے تو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور ہم نے ایصال ثواب کے اصول وضع کر کے پوری زندگی کا سودا قرض تیجے کے دن اٹھا کر بے فکر بن گئے اللہ تعالےٰ کسی کو ایسی ناخلف اولاد نہ دے۔

پھر یہ سودا اتنا آسان کہ نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری نہ کوئی پیسہ خرچ ہو اور نہ قرض لینے کی ضرورت پیش آئے۔ بلکہ جسے ایک فقیر اور سائل بھی انجام دے سکے بے شک اس طریقہ سے برادری میں ناک ضرور کٹ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسی ناک ہے۔ جو ہزار ہا بار کٹتی اور ہزار ہا بار جڑتی ہے۔ اگر اس کا کٹنا اور اس کا جڑنا اتنا ہی سہل عمل ہے تو پھر تو یہ صنعت بہت فائدہ رساں ہے۔ لیکن اصل ناک جب قیامت کے دن کٹے گی تب حقیقت کھلے گی اور جب یہ سوال ہوگا کہ تمہاری نظروں میں ہماری کتاب اور ہمارے احکام سے زیادہ برادری کی وقعت تھی۔ تم ہم سے زیادہ برادری اور رسم و رواج سے خائف تھے۔ اور ہم ہر اس عمل سے بے نیاز ہیں جس میں ہمارے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے تو جاؤ جو کچھ طلب کرنا ہے۔ وہ اپنے برادری نامی الٰہ سے طلب کرو۔

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰہَہٗ	کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس
ھَوٰلہُ الفرقان ۴۳	نے اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنا لیا ہے ۴۵:۲۳

ہمارے یہاں اس شخص کے لئے کچھ نہیں جو ہمارے احکامات پر اپنی دنیا کو ترجیح دے

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ	لیکن جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی
الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ	کو ترجیح دی تو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے
الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ النازعات ۳۷-۳۹	۷۹ : ۳۷-۳۹

امام مسلم نے مطرفؓ سے نقل کیا ہے کہ میرے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ تلاوت فرمائی اور اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ انسان ہر وقت یہ رٹ لگاتا رہتا ہے۔ میرا مال (یعنی ہر بات پر یہی کلمہ ورد زبان رہتا ہے۔) اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

وَھل لك یا ابن آدم من	اور اے ابن آدم تیرا مال کیا ہے! تیرا
مالك الا ما اکلت ف	مال تو صرف وہ ہے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا
فنیت او لبست فا	یا پہن کر پرانا کر دیا۔ یا صدقہ کر کے آگے
بلیت او تصدقت	بھیج دیا۔
فامضیت	

مسلم ج ۲ ص ۴۰۹

یعنی انسان کا اصل مال وہی ہے۔ جو اس نے صدقہ کر کے آگے جمع کر دیا ہے۔ یہ مال تو اس کا آخرت میں کام آئے گا۔ اور کھا پی کر اور پہن کر جو کچھ ختم کر دیا وہ دنیا میں کام آگیا اور بقیہ مال اس کا مال نہیں۔ جو اس مال سے اسے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ اور دوسرے کے مال پر نظر رکھنا یہ خود غرضوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور جب یہ دنیاوی زندگی میں جائز نہیں تو آخرت میں یہ خود غرضی اسے کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بایں الفاظ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بندہ ہر وقت یہ کہتا رہتا ہے میرا مال میرا مال۔

ان مالہ من مالہ ثلاث ما	انسان کے مال میں سے اس کا مال صرف تین
اکل فافنی اولبس فابلی او	قسم کا ہوتا ہے۔ وہ مال جو کھا کر انسان فنا
اعطی فاقتنی ما سوا ذلک	کر دے۔ پہن کر پرانا کر دے یا کسی کو دیکر
فھو ذاھب وتارکہ للناس	ذخیرہ کر دے۔ اس کے علاوہ تمام مال جانے
	والا ہے۔ اور اسے دوسروں کے لئے چھوڑ
مسلم جز۲ صفحہ ۴۰	کر چلا جاتا ہے۔

سطور بالا میں گذر چکا ہے کہ مرنے کے بعد صرف تین چیزیں کام آتی ہیں صدقہ جاریہ یعنی وقف وغیرہ، نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعا کرے۔ اور وہ علم جس سے لوگ مستفید ہوتے رہیں۔ یہی تین امور ہیں جو ایصال اور پارسل کئے بغیر مرنے والے کو خود بخود پہنچتے رہتے ہیں۔ بقیہ پارسل تو الٹی ڈاکئے راہ ہی میں ضائع کر دیتے ہیں

ہم جو لوگوں کو قرآن وسنت کی دعوت دے رہے ہیں یا جو کچھ تحریر کر رہے ہیں تو جب تک روئے زمین پر ایک انسان بھی اس پر عمل کرتا رہیگا۔ اس عمل کا اجر بغیر کسی ایصال کے ہمیں حاصل ہوتا رہے گا۔ نہ صرف ہمیں بلکہ ان تمام حضرات کو بھی جنہوں نے ہماری کتابوں کی اشاعت میں مالی وجسمانی معاونت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ابن ماجہ نے حضرت معاذ بن انس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

من علم علما فلہ اجر	جس شخص نے علم کی تعلیم دی۔ اس کے لئے
من عمل بہ لا ینقص	اس شخص کا اجر ہے۔ جو اس پر عمل کرے
من اجر العامل	اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی

کمی نہ کی جائے گی۔

ابن ماجہ مترجم جز ۱ صفحہ ۱۱۱

یہ ہے اصل ایصالِ ثواب جو ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔ یار لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ مردے کو صرف ایک تیجے ایک چالیسویں اور ایک برسی پر ٹرخا دیں بلکہ اس میں بھی اصل مقصد برادری کی خوشنودی اور دکھاوا ہوتا ہے۔ ہمیں ایسے ٹرخانے والے عمل کی ضرورت نہیں کہ وہاں تو قورما اور بوٹیاں مزے لے لے کر کھائیں اور گھر جا کر کہیں کہ قورمے میں گوشت تو صرف نام کو تھا۔ ہمیں ایسے بوٹیاں نوچنے والے تیجوں کی کوئی ضرورت نہیں ہمیں تو زندہ عمل کی ضرورت ہے۔ اور ہم اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

من دعا الی هدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ینقص ذلك من اجورهم شیئا و من دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل آثام من تبعه لا ینقص ذلك من آثامهم شیئا۔

جس نے لوگوں کو ہدایت کی دعوت دی تو اسے ان لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی اتباع کریں۔ اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس نے گمراہی کی دعوت دی تو اس پر ان لوگوں کا گناہ بھی ہوگا، جنھوں نے اس گمراہی میں اس کی اتباع کی اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

مسلم جز ۲ صفحہ ۳۴۱ - ابن ماجہ جز ۱ صفحہ ۱۹ - ترمذی جز ۲ صفحہ ۱۰۱ - ابو داؤد جز ۲ صفحہ ۲۵۵

ہمارے علماء تو صرف اس بات کے دعویدار تھے کہ ایصالِ ثواب ثابت ہے

لیکن اس حدیث سے تو ایصالِ عذاب بھی ثابت ہوگیا۔ لیکن یہ ذہن میں رہے کہ ثواب و عذاب بغیر ارسال کئے اسے حاصل ہوتا رہتا ہے اس کے لئے کسی ڈبزکی ضرورت پیش نہیں آتی۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کا بیان ہے کہ اعراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اون کا لباس پہنے تھے۔ آپ نے ان کی صورتیں دیکھ کر ان کی فاقہ مستی اور خراب حالت کا اندازہ لگالیا۔ آپ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ لیکن لوگوں نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہ دی۔ جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے۔ اتنی دیر میں ایک انصاری ایک تھیلی لے کر آیا جس میں چاندی کے سکے تھے پھر دوسرا بھی کچھ لے کر آیا پھر تو لگاتار ایک تسلسل قائم ہوگیا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا۔

من سن فی الاسلام سنۃ	جو اسلام میں نیک طریقہ کی ابتداء کرے
حسنۃ فعمل بھا بعدہ	اور اس پر بعد میں عمل ہوتا رہے۔ تو اس
کتب لہ مثل اجر من	کے لئے ان عمل کرنے والوں کا اجر بھی
عمل بھا ولا ینقص من	لکھا جائیگا۔ اور ان کے اجر میں کوئی کمی
اجورھم شیئ ومن سن	نہ کی جائے گی اور جس نے اسلام میں
فی الاسلام سنۃ سیئۃ	برے طریقے کو پھیلایا اور اس پر لوگوں نے
فعمل بھا بعدہ کتب علیہ	عمل کیا تو ان کا گناہ بھی اس کے ذمہ لکھا
مثل اوزار من عمل بھا	جائے گا۔ اور ان عمل کرنے والوں کے
ولا ینقص من اوزارھم شیئ	گناہوں میں بھی کمی نہ کی جائے گی۔

مسلم ج۲ ص۳۴۱ - ابن ماجہ ج۱ ص۱۳

دارمی ج۱ ص۱۰۱ - نسائی ج۱ ص۳۵۹ ترمذی ج۲ ص۱۰۱

اگر کوئی شخص ان ایصال پرستوں سے یہ کہے کہ جتنا پیسہ آپ اس فاتحہ اور تیجہ نامی ڈنر و ٹی پارٹی پر خرچ کر رہے ہیں۔ وہ کسی ضرورت مند کو خاموشی کو دیجئے۔ اگر مردے کو ثواب نہ ملے گا تو آپ ہرگز بھی ثواب سے محروم نہ رہیں گے یا کسی دینی تعلیم میں لگا دیجئے۔ تو اس کے لئے کوئی شخص بھی تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انہیں تو نام ونمود اور رسم مطلوب ہے۔ خدا پرستی کا دعویٰ تو ایک فریب ہے۔ یہ تو ازابتدا تا انتہا صنم پرستی میں مبتلا ہیں۔

بجائے اس کے اگر یہ حضرت اپنے بچوں کو دینی تعلیم دیتے تو اسکا ایصال ثواب انہیں خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی دنیا پرستی کا تو یہ حال ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک بچہ کو بھی دینی تعلیم دلانے کے لئے تیار نہیں اور اسی بے دینی کے باعث یہ ہتھکنڈا بھی اختیار کیا گیا ہے۔

از روئے اسلام مردے کو صرف تین چیزیں پہنچتی ہیں۔ ابو قتادہؓ انصاری کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خیر ما یخلف الرجل من بعدہ	آدمی اپنے بعد تین چیزیں بہتر چھوڑ کر
ثلاث ولد صالح یدعو لہ	جاتا ہے۔ نیک لڑکا جو اس کے لئے دعا
وصدقۃ تجری یبلغہ	کرے، صدقہ جاریہ کہ اسے اس کا اجر
اجرھا وعلم یعمل بہ	ملتا رہے اور علم جس پر اس کے بعد عمل
من بعدہ۔	کیا جائے۔

ابن ماجہ ترجمہ ج ۱ ص۱۱۳

یہی تین چیزیں ہیں جن کا اجر انسان کو مرنے کے بعد ملتا رہتا ہے۔ اس کے لئے نہ کسی دن کے تعین کی ضرورت ہے اور نہ وقت کی نہ اس کے لئے برادری اور احباب جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پیسہ برباد کرنے کی۔

ایک اور حدیث میں اس کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں

ان مما یلحق المومن من عمله وحسناته بعد موته علما ونشره وولدا صالحا ترکه ومصحفا ورثه او مسجدا بناه او نهرا اجراه او صدقة اخرجها من ماله فی صحته وحیاته یلحقه من بعد موته -

ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۲

مومن کو اس کے مرنے کے بعد اس کے عمل اور نیکیوں میں سے جو چیزیں ملتی رہتی ہیں ان میں ایک تو علم ہے جسے وہ پھیلا کر جائے۔ نیک لڑکا ہے جو اس کے لئے دعا کرے، قرآن ہے جو ترکہ میں چھوڑ کر مرے مسجد جو اس نے بنائی۔ نہر جو اس نے جاری کی ہو اور وہ صدقہ ہے جو اس نے اپنی حیات میں حالت صحت میں کیا ہو۔ یہ امور مرنے کے بعد بھی مرنے والے کو حاصل ہوتے رہتے ہیں

ایسے جتنے بھی اعمال ہیں جن کا اجر مرنے کو پہنچتا ہے یہ تمام خود مردے کے اعمال ہیں۔ یا اس نے ان کی ابتدا کی تھی۔ ان تمام احادیث میں کسی ایسے عمل کا قطعاً ذکر نہیں ملتا جس میں مردے کے عمل کو دخل نہ ہو۔ اور پھر اس سے عمل کا حصہ بھی کہلائے

یہ بھی ذہن میں رہے کہ صدقہ جاریہ صرف مالی صدقہ کا نام نہیں۔ بلکہ اگر کسی کو علم سکھایا اور دین کی راہ پر ڈالا تو یہ بھی صدقہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

افضل الصدقة ان تعلیم المرء المسلم علما ثم یعلمه اخاه المسلم

بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کو دین کی تعلیم دے۔ پھر وہ دوسرے کو تعلیم دے۔

ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۳

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ایک ضرورتمند رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کے لئے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میری جانب سے اتنا مال ہے۔ ابوہریرہ کا بیان ہے کہ مسجد میں کوئی شخص باقی نہ رہا جس نے کچھ نہ کچھ اسے مال نہ دیا ہو۔ حضور نے یہ صورت حال دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

من استن خيرا فاستن به كان له اجره كاملا ومن اجور هم استن به ولا ينقص من اجورهم شيئا ومن استن سنة سيئة فاستن به فعليه وزره كاملا ومن اوزار الذى استن به ولا ينقص من اوزارهم شيئا۔

ابن ماجہ ج۱ - دارمی ج۱

جس نے بھلے کام کی دعوت دی اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسے اس کا پورا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی ملے گا جنھوں نے اس دعوت پر عمل کیا۔ اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس نے برے کام کی دعوت دی، اور لوگوں نے اس پر عمل کیا۔ تو اس پر اس کا بھی پورا گناہ ہوگا۔ اور ان عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہوگا۔ اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوجحیفہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

ايما داع دعا الى ضلالة فاتبع فان له مثل اوزار من اتبعه ولا ينقص

جو بھی دعوت دینے والا گمراہی کی دعوت دے گا پھر لوگ اس کی اتباع کریں تو اسے ان تمام اتباع کرنے والوں کا

من اوزارهم شيئا وايما
داع دعا الى هدى فاتبع
فان له مثل اجور من
اتبعه ولا ينقص من
اجورهم شيئا۔

ابن ماجہ ج ۱ ص۱۰۱ ۔ ترمذی ج ۲ ص۹۲

ابو داؤد ج ۲ ص۲۸۵

گناہ ملے گا۔ اور ان کے گناہوں میں کوئی
کمی نہ کی جائے گی اور جو شخص ہدایت
کی دعوت دے گا۔ پھر لوگ اس کی
اتباع کریں۔ تو ان اتباع کرنے والوں
کا سے اجر ملے گا۔ اور ان کے اجر میں
کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

حضرت عمرو بن عوف المزنیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

من احيا سنة من سنتي
قد اميتت بعدي فان
له من الاجر مثل اجر من
عمل بها من الناس
لا ينقص من اجور الناس
شيئا ومن ابتدع بدعة
لا يرضاها الله ورسوله
فان عليه مثل اثم من
عمل بها من الناس

ابن ماجہ ج ۱ ص۱۰۳

ترمذی ج ۲ ص۱۰۵

جس نے میری ایسی سنت کو جو مر چکی
ہو۔ پھر زندہ کیا اس کے لئے اس پر تمام
عمل کرنے والوں کا اجر ہوگا۔ اور ان کے
عمل میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس
نے کوئی ایسی بدعت جاری کی جسے اللہ اور
اس کا رسول پسند نہیں کرتا۔ اس کے لئے
ان تمام لوگوں کا گناہ ہے جنہوں نے اس
پر عمل کیا اور ان کے گناہ میں کوئی کمی
نہ کی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

اربع يعطاها الرجل بعد موته ثلث ماله اذا كان فيه قبل ذلك لله مطيعا والولد الصالح يدعو من بعد موته والسنة الحسنة يسنها الرجل فيعمل بها بعد موته والمائة اذا شفعوا الرجل شفعوا فيه

دارمی ج ۱ ص ۱۰۸

چار چیزیں ہیں جو انسان کو اس کے مرنے کے بعد بھی دی جاتی ہیں۔ وہ تہائی مال جو صدقہ کرے۔ بشرطیکہ اس مال کے حصول میں وہ اللہ کا تابعدار رہا ہو۔ نیک لڑکا جو اس کے لئے اس کی موت کے بعد دعا کرے۔ نیک طریقہ جو وہ جاری کرے اور لوگ اس پر اس کی موت کے بعد عمل کریں۔ اور سو افراد جو اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اور اس کی مغفرت کی شفاعت کریں۔ تو یہ شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

ان تمام احادیث سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ مرنے والا اگر کسی ایسے نیک عمل کی بنیاد رکھ کر مرے جس پر بعد میں بھی عمل جاری رہے یا ایسی کتاب لکھ کر مرے جس سے لوگ مستفید ہوتے رہیں یا کسی کو دین کی راہ پر لگا کر مرے تو اس کا اجر مرنے والے کو ہر صورت میں خود بخود ملتا رہے گا۔ یہ وہ اصل ایصال ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایصال کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے۔

انا اعظم اجرا يوم القيامة انا اعظم اجرا يوم القيمة لان لي اجري ومثل اجر من اتبعني

دارمی ج ۱ ص ۱۰۹

میں قیامت کے روز سب سے بڑے اجر کا مالک ہوں گا۔ میرے لیے میرا بھی اجر ہوگا۔ اور ان لوگوں کا اجر بھی ہوگا جو میری اتباع کریں۔

اس ایصال کے تو ہم بلاشک وشبہ قائل ہیں۔ اور اسکا آج تک کوئی منکر نہیں ہوا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر کسی نے گناہ کی بنیاد رکھی۔ دینی تعلیم کے بجائے ناچ گانے کی تعلیم دی، مدرسہ و مسجد کے بجائے کلبوں اور رقص گاہوں میں پیسہ لگایا تو جب تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا، اس وقت تک مرنے والے کو اس کا گناہ ملتا رہے گا۔ جب تک پاکستان میں ٹی وی چلتا رہے گا اور اس کے ذریعہ آوارگی اور عیاشی پھیلتی رہے گی، اس وقت تک اس کے جاری کنندہ کو بھی اس کا گناہ ملتا رہیگا

ارشادِ الٰہی ہے۔

لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ؈	تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بھی پورے گناہ اٹھائیں۔ اور ان لوگوں کے گناہ بھی اٹھائیں جنھیں انہوں نے اپنی لا علمی کے باعث گمراہ کیا۔ یہ گناہ اٹھانے والے کتنے برے ہیں۔
النحل ۔ ۲۵	۱۶ : ۲۵

اسی پر تمام غلط امور کو قیاس کر لیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا ہے

ليس من نفس تقتل ظلما الا كان على ابن ادم الاول كفل من دمها لانه سن القتل اولا	کوئی جان ایسی نہیں جو ظلماً قتل کی جائے اس کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر مزید ہوگا جس نے اوّلاً قتل کی بنیاد رکھی۔
	بخاری، ج ۲ ص ۱۰۱

ایسے مرنے والے کے لئے آپ خواہ کتنا بھی ایصال کریں۔ وہ عقلاً بھی بے سود

ہے۔ اس لئے کہ آپ تو سال بھر میں ایک بار ایصال کریں گے۔ لیکن گناہ کی بنیاد رکھنے کے باعث کروڑہا انسانوں کے گناہوں کا بھی اس کے لئے ایصال ہوتا رہے گا۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر آپ مردے کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو اس نے اپنی زندگی میں جن جن لوگوں کو گمراہی کی راہ پر ڈالا ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس نے جو جو تخریب کاری کی ہے۔ اولاً اس کا تدارک کیا جائے۔ ہماری نظر میں اس سے بڑھ کر مرنے والے کے لئے کوئی چیز سود مند نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اس قسم کا ایصال جس کی بنیاد مرنے والے نے خود رکھی ہو یا اس کی وصیت کر کے مرا ہو۔ اسے برابر خود بخود ہوتا رہتا ہے خواہ عمل کا تعلق کارِ خیر سے ہو۔ یا کارِ شر سے۔ اگر یہ عمل خیر ہے تو ایصال ثواب ہوگا۔ اور اگر شر ہے تو ایصال عذاب ہوگا۔ اس میں وارثین کے کسی ارادے اور عمل کو کوئی دخل نہیں یہ ایصال تو قدرتِ الٰہیہ کی جانب سے ہو رہا ہے۔ لیکن ہمارے بھائی اسی اصل ایصال کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک اس وقت تک ایصال ہوتا ہی نہیں جب تک لوگوں کی دعوت نہ کی جائے اور لوگوں کا قیمتی وقت اور روپیہ ضائع نہ کیا جائے۔

نذر و منّت

ان چند صورتوں کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ مرنے والے نے نذر مانی تھی اور وہ اسے پورا نہ کر سکا۔ اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ اب اگر ورثا اس کی نذر پوری کرنا چاہتے ہیں۔ تو شریعت اسلامیہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح مرنے والے کے ذمہ روزے یا حج وغیرہ باقی رہ گیا ہے۔ تو روایات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ دورِ صحابہ سے آج تک مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ لیکن اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں کہ مرنے والے کی جانب سے جو حج و روزہ وغیرہ ادا کیا جاتا ہے یا اس کا کفارہ دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصود بھی قطعاً ایصالِ ثواب نہیں ہوتا۔ بلکہ مرنے والے پر جو قرض باقی رہ گیا ہے اس کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے تاکہ وہ اس گناہ سے محفوظ ہو سکے۔ اور اس فریضہ کے ترک پر اس سے مواخذہ نہ ہو۔ اس سے مقصود قطعاً ایصالِ ثواب نہیں ہوتا بلکہ یہ فعل انجام دینے والے کے ذہن میں بھی یہ تاثر قطعاً نہیں ہوتا کہ میں اسے ثواب پہنچا رہا ہوں۔ اور نہ اس کام کے لئے وہ اہتمام کرتا ہے جو ایصالِ ثواب کی صورتوں میں اختیار کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وارث جو یہ کام مرنے والے کی جانب سے گویا انجام دے رہا ہے۔ اس کی حیثیت صرف ایک وکیل کی ہے جو موکل کی جانب سے یہ کام انجام دے رہا ہے۔ اور وکیل جو فعل انجام دیتا ہے وہ وکیل کا فعل

تصور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مؤکل کا فعل تسلیم کیا جاتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذہن میں یہ اشکال واقع ہو کہ جب اسے مؤکل نے وکیل نہیں بنایا تو اسے وکیل کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مؤکل کے ذمہ قرض ہوتا تو وارث ہونے کے لحاظ سے یہ قرض وارث کے ذمہ لازم ہوتا ہے یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وارث مرنے والے کا وکیل ہوتا ہے۔ اس وکالت کو کتب فقہ میں نیابت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ صرف ہمارا ذہنی تخیل نہیں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تقریباً اس کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے۔ اور عبادت کو قرض پر قیاس کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں۔ کیا میں ان روزوں کی قضا کروں آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لو کان علی امک دین	اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے
لکنت قاضیہ	ادا کرتا۔

اس نے عرض کیا جی ہاں اس کا قرض ضرور ادا کرتا۔ آپ نے اس پر ارشاد فرمایا۔

فدین اللہ احق ان یقضی	تو اللہ کا حق ادا کرنے کے زیادہ لائق ہے

مسلم ج ۱ ص ۳۶۳ بخاری ج ۱ ص ۲۶۳

گویا یہ ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض کی ادائیگی وارث کے ذمہ ہے۔ اس صورت میں وارث جو قرض ادا کرے گا وہ قطعاً اس کا فعل تصور نہ کیا جائے گا بلکہ اس کی حیثیت ایک نائب اور وکیل کی ہوگی، کیوں کہ یہ قرض جس کے ذمہ واقع ہوتا تھا وہ تو مر چکا۔

گویا اصل فعل کا بانی مرنے والا ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگرچہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ لیکن اس روایت میں زبردست اختلاف ہے۔ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والی ماں تھی۔ کسی روایت سے معلوم ہوتا ہے بہن تھی۔ کسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والی کے ذمہ رمضان کے روزے تھے۔ کسی سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کے روزے تھے۔ کسی روایت میں ذکر ہے کہ ایک ماہ کے روزے تھے۔ کسی میں دو ماہ اور کسی میں پندرہ دن کا ذکر ہے۔ اس طرح اس حدیث میں زبردست اضطراب پایا جاتا ہے۔ اور مضطرب حدیث محدثین کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

پھر لطف یہ ہے کہ ابنِ عباسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا فتویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے روزے نہ رکھے اور صحابی جب کوئی حدیث روایت کرتا اور پھر اس کے خلاف فیصلہ دیتا ہے تو وہ اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ کیوں کہ کوئی صحابی عمداً بلا وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

لیکن اس حدیث اور دیگر احادیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے مرنے والے کے متروک عمل کو قرض سے تشبیہ دی اور ظاہر ہے کہ قرض تو مرنے والے کے ذمے تھا اور جب اس کے ذمہ تھا تو اس کا بانی بھی وہی ہے یہ امر جدا گانہ ہے کہ یہ روزے قضاء رمضان سے متعلق تھے یا یہ نذر کے روزے تھے۔ خود عبد اللہ بن عباسؓ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں مر گئی۔ اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ کیا میں اس کی جانب سے روزے رکھوں آپ نے ارشاد فرمایا

ارایت لوکان علی امک۔ ذرا سوچ کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو

دین فقضیتہ اکان یودی　　　کیا اسے تو ادا کرتا۔

ذلک عنھا۔

مسلم ج ۱ ص ۳۶۲

یہ طرز استدلال آپ اس لئے اختیار فرما رہے ہیں کہ انسانوں کا جو مالی قرض مرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے تو قرآن نے اس کے متروکہ مال میں سے اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر بالفرض مرنے والا کوئی مال نہیں چھوڑتا تو قرآن و سنت نے اس قرض کو کسی پر لازم نہیں کیا۔ بلکہ اس معاملے میں ولی خود مختار ہے۔ خواہ وہ قرض ادا کرے یا نہ کرے، اسی لئے مرنے والے کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس سلسلے میں کسی کو وصیت کرکے مرے، اور عدم وصیت کی صورت میں اس کی ادائیگی حکومتِ اسلامیہ کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور یہ سوالات وجوابات فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا اسے ادا کرتا، جب وہ اسکا اقرار کر لیتا ہے تب دوسری بات فرمائی، یعنی اگر وہ قرض کی ادائیگی سے انکار کر دیتا ہے تو یہ جواب بھی ہرگز نہ دیا جاتا۔ کیوں کہ یہ جواب تو پہلی شرط پر موقوف تھا، اور جب شرط مفقود ہو جاتی ہے تو مشروط بھی باقی نہیں رہتا۔

حضرت بریدہؓ کا بیان ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ، میں نے ایک باندی اپنی ماں کو بطور صدقہ دی تھی۔ اب میری ماں مر گئی، میں اس باندی کا کیا کروں؟ آپ نے فرمایا تجھے تیرے صدقے کا اجر مل چکا اور از روئے وراثت وہ باندی بھی تیرے پاس لوٹ آئی۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے تھے کیا میں وہ روزے رکھوں، آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کیا وہ حج بھی نہ کر سکی تھی۔ کیا میں اس کی جانب سے حج کروں، آپ نے فرمایا۔

حجی عنھا۔ اس کی جانب سے حج کر۔

مسلم ج ۱ ص ۳۶۲

لیکن اس روایت میں وہی دشواری درپیش ہے کہ کوئی راوی حج اور روزے دونوں کا ذکر کرتا ہے۔ کوئی صرف روزوں کا۔ کوئی ایک ماہ کے روزے بیان کرتا ہے اور کوئی دو ماہ کے۔ اس لحاظ سے یہ روایت بھی مضطرب ہے اور قاضی عیاض نے شرح مسلم میں، ابن عباسؓ اور بریدہؓ دونوں کی روایات کو مضطرب قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہو۔ دو واقعے نہ ہوں۔ اس صورت میں مزید اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

پھر لطف یہ ہے کہ ان احادیث کے موجود ہوتے ہوئے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا مسلک اس کے خلاف رہا ہے۔ جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ دوسرے کی جانب سے نماز و روزہ ادا نہیں کئے جا سکتے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وذھب الجمھور الی انہ لا یصام عن میت لا نذر ولا غیرہ، حکاہ ابن المنذر عن ابن عمر و ابن عباس وعائشہ و روایۃ عن الحسن و الزھری وبہ قال مالک و ابو حنیفۃ قال القاضی عیاض وغیرہ

اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مردے کی جانب سے قطعاً روزہ نہ رکھا جائے نہ نذر کا اور نہ کوئی اور روزہ یہ قول ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ یہی قول حسن بصری اور زہری کا ہے۔ یہی فتویٰ مالکؒ اور ابو حنیفہ کا ہے۔ قاضی عیاض وغیرہ کہتے ہیں یہی جمہور علماء کا قول ہے۔

ھو قول جمہور العلماء

مسلم جز ۱ صہ ۳۶۲

مولینا احمد علی سہارنپوری بخاری کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ اس مسئلے میں کہ میت کی جانب سے روزہ رکھا جائے یا نہیں۔ تو محدثین، تو ان روایات کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ ولی میت کی جانب سے مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ قول امام زہری اور امام مالک کا ہے اور امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔ اور یہ حضرات اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے روزہ نہ رکھے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک اس کھانا کھلانے میں شرط یہ ہے کہ مرنے والا وصیت کرکے مرا ہو۔

کرمانی لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ مردے کی جانب سے روزہ نہ رکھا جائے۔ امام احمد ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں لیکن اکثر آئمہ اس پر متفق ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے روزہ نہ رکھے اور ان حضرات نے روزے کو نماز سے تشبیہ دی ہے۔ یہ حضرات اس روایت کی تاویل کرتے ہیں جس میں روزہ رکھنے کا ذکر ہے کہ میت کی جانب سے کھانا کھلا دیا جائے اس طرح کھانا روزے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ ہر روزے کے عوض نصف صاع گندم کھانے کے طور پر دیدیا جائے، یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی شرط یہ ہے کہ مرنے والا اس کی وصیت کرکے مرا ہو اگر مرنے والے نے وصیت نہیں کی تو کھانا بھی نہیں کھلایا جائیگا۔ اور احناف کی دلیل وہ حدیث ہے جو نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یصلی احد عن احد	کوئی شخص دوسرے کی جانب سے نماز
ولکن یطعم عنہ	نہ پڑھے لیکن اس کی جانب سے کھانا کھلایا جائے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرماتے ہیں

من مات وعلیہ صوم	اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے ذمہ ایک
شھر فلیطعم عنہ کل	ماہ کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روز
یوم مسکینا	ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

قرطبی نے شرح موطا میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

امام عینی حنفی عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں جن حضرات نے حضرت عائشہ رضی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی کی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ زندہ مردے کی جانب سے روزے رکھ سکتا ہے۔ انہوں نے حق اللہ کو حق العباد پر قیاس کیا ہے حالانکہ خود ان دونوں صحابہ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اور احناف کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی صحابی ایک حدیث بیان کرے اور پھر اس کے خلاف فتوی دے تو یہ اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ کیوں کہ کوئی صحابی فرمان رسول کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اور نہ فرمان رسول کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد پیش کر سکتا ہے۔ رہی یہ دلیل کہ حق اللہ کو حق العباد پہ قیاس کیا جائے۔ تو یہ سوال کہ کیا تو اس کا قرض ادا نہ کرتی یا نہ کرتا۔ خود اس کی دلیل ہے کہ ماں کا قرض ادا کرنا اولاد پر واجب نہیں۔

ابن عبد الملک مالکی فرماتے ہیں اس حدیث میں زبردست اضطراب ہے اسی باعث اس حدیث کو معلول (عیب دار) قرار دیا گیا ہے۔ اور قرطبی لکھتے ہیں کہ امام مالک نے ابن عباس رض کی اس حدیث کے مطابق چند وجوہات کے باعث فتوی نہیں دیا

اوّل یہ کہ اہلِ مدینہ کا عمل اس حدیث کے خلاف تھا، دوئم اس حدیث کی سند اور متن میں اختلاف ہے۔ تیسرے یہ قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ، نجم ۳۸ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا

یہ تمام بحث وہ ہے جو محدث احمد علی سہارنپوری نے صحیح بخاری کے حاشیہ ۳۸:۵۳ پر ابن عباسؓ کی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھی ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری ج۱ ص۲۵ اور آخر میں مفسر قرطبی کا حوالہ پیش کیا ہے۔ ہم امام قرطبی کی عبارت ان کی تفسیر سے پیش کرتے ہیں۔

واختلفوا فمن مات و
عليه صوم من رمضان
لم يقضه فقال مالك و
الشافعي والثوري لا
يصوم احد عن احد
فقال احمد واسحاق
وابو ثو والليث وابو
عبيد واهل الظاهر
يصام عنه الا انهم
خصصوه بالنذر وروي
مثله عن الشافعي و
قال احمد واسحاق في
رمضان يطعم عنه و
احتج من قال بالصوم

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ
رمضان کے روزوں کی قضا باقی رہ گئی ہو
تو ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے مالک،
شافعی اور ثوری کہتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے
کی جانب سے روزہ نہ رکھے احمد اسحق
ابو ثور، لیث، ابو عبید اور اہل ظاہر کا
قول یہ ہے کہ مرنے والے کی جانب سے روزہ
رکھا جائے۔ لیکن وہ نذر کے ساتھ
مخصوص قرار دیتے ہیں۔ شافعی کا بھی
ایک قول یہی ہے۔ احمد اور اسحاق کہتے ہیں
رمضان کی قضا میں کھانا کھلایا جائے
جو ائمہ روزہ رکھنے کے قائل ہیں وہ
اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو
مسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے

بما رواه مسلم عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من مات وعليه صيام صام عنه وليه - الا ان هذا عام يخصصه ما رواه مسلم ايضا عن ابن عباس قال جاءت امرأة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان امي قد ماتت وعليها صوم نذر وفي روايته صوم شهر افا صوم عنها قال ارأيت لو كانَ على امك دين فقضيته اكان تؤدي ذلك عنها قالت نعم قال فصومي عن امك احتج مالك ومن وافقه بقوله سبحانه وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَقَوْلَهُ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے ہوں۔ تو اس کا وارث اس کی جانب سے روزے رکھے۔ یہ روایت عام ہے۔ اور اس کی تخصیص ابن عباسؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلم نے نقل کی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری ماں مر گئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے ایک روایت میں ہے کہ ایک ماہ کے روزے تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ آپ نے فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا کیا تو ماں کی جانب سے ادا کرتی۔ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی جانب سے روزہ رکھ۔

امام مالک اور وہ ائمہ جو اس مسئلے میں ان سے متفق ہیں۔ وہ دلیل میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات پیش کرتے ہیں کہ "ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔" نیز ارشاد الٰہی ہے "اور انسان کے لئے اس کی سعی

سَعیٰ۔ وَقَوْلُہٗ وَ لَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْھَا وَبِمَا اخرجہ النسائی عَنْ ابنِ عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنہ مکان کل یوم مدا من حنطۃ

کے علاوہ کچھ نہیں ہے ،، نیز ارشاد ہے "اور ہر نفس جو کچھ کمائے گا وہ اسی کے ذمہ لازم آئے گا"۔ یہ ائمہ دلیل میں ابن عباسؓ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز پڑھے اور نہ روزے رکھے۔ بلکہ ہر روزے کے بدلے ایک مد گندم بطور کھانا دیا جائے۔

تفسیر قرطبی ج ۱۵ ص ۲۶۲

امام قرطبی کی اس عبارت سے یہ امر واضح ہوگیا کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ جو مُردے کی جانب سے روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کو جائز نہیں کہتے ان کی اصل دلیل قرآن ہے جو صراحتاً اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ رہا روزے کی جگہ کھانا کھلانا تو امام ابو حنیفہ اس میں بھی مزید دو شرطیں لگاتے ہیں۔ اول یہ وہ وصیت کرکے مرا ہو۔ ثانیاً مرنے والے کے مال سے یہ کھانا کھلایا جائے۔

حاصل کلام یہ کہ یہ روزہ اور حج وغیرہ سب نیابت و وکالت ہے اور بقول امام ابو حنیفہ جب تک مرنے والا وصیت نہ کرے تو یہ نیابت بھی بے کار ہوگی۔ اور جب تک اس پر مرنے والے کا مال نہ لگایا جائے تو خود احناف کے نزدیک اس کا ایصال کیسے ممکن ہوگا۔ اور ہند و پاکستان میں جو صورت حال پائی جاتی ہے وہ تو بالکل اس کے برعکس ہے یعنی بغیر کسی وصیت کے وارث اپنے مال سے یہ تمام ایصال

کے چکر میں لایا جاتا ہے۔

یہ قائم مقامی اور نیابت اصلاً تو زندہ کی جانب سے ہونی چاہئے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر سوار نہیں ہو سکتا! اور اللہ نے اس پر حج فرض کر دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا

فحجی عنہ — تو اس کی جانب سے حج کر۔

بخاری ج ۱ ص ۲۵۰ - مسلم ج ۱ ص ۴۳۱

اس حدیث میں زندہ کی نیابت کا سوال کیا جا رہا ہے۔ جو اور معاملات میں قطعاً جائز ہے۔ لیکن کیا عبادات میں یہ ممکن ہے۔ محدث احمد علی سہارنپوری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیہ جواز النیابۃ عن العاجز قال اصحابنا من قدر علی الحج ببدنہ لم یجز لہ ان یحج عنہ غیرہ ولو عجز عنہ عجزاً لا یزول مثل الزمانۃ والعمی جاز ان یحج عنہ وان کان یزول کالمرض والحبس فان استمر الی الموت یجزئہ وان زال لا یجزئہ ویلزمہ

اس حدیث سے عاجز کی جانب سے نیابت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ائمہ (یعنی احناف) کہتے ہیں کہ جو شخص حج کرنے کی جسمانی طاقت رکھتا ہو۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرا اس کی طرف سے حج کرے اور اگر وہ ایسا عاجز ہو جائے کہ اس کا عجز دور ہونا ممکن نہ ہو۔ مثلاً ہاتھ پاؤں سے معذور ہونا یا نابینا ہونا تو اس کی جانب سے حج جائز ہوگا۔ لیکن اگر مجبوری ایسی ہے جو زائل ہو سکتی ہے مثلاً مرض یا قید تو اگر یہ مرض یا قید وغیرہ اس کی موت تک

عمدۃ القاری۔ بخاری جز ۱ ص ۲۱۴

طویل ہو جائیں تو حج جائز ہوگا۔ اور اگر یہ چیزیں زائل ہو جائیں تو یہ جائز نہ ہوگا اور اس پر حجۃ الاسلام لازم ہوگا

گویا ہمارے ائمہ کے نزدیک یہ نیابت مشروط ہے۔ بلا عذر یہ نیابت قطعاً جائز نہیں۔ اور عذر کی صورت میں بھی صرف اس وقت جائز ہے جب کہ اس عذر کا رفع ہونا ممکن نہ ہو۔ رہ گیا مردے کی جانب سے حج کرنا یہ مسئلہ بھی ائمہ میں مختلف فیہ ہے۔ امام نووی شافعی شارح مسلم اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مذهبنا ومذهب الجمهور قال القاضي وحكي عن النخعي وبعض السلف انه لا يصح الحج عن الميت ولا غيره وهي رواية عن مالك وان اوصى به

مسلم ج ۱ ص ۴۳۱

ہمارا (شافعیہ) اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عاجز کی جانب سے حج جائز ہے۔ میت، ہاتھ پیر بیکار ہونے اور بڑھاپے وغیرہ کے باعث۔ لیکن امام مالکؒ، لیث بن سعد اور حسن بن صالح (شاگرد ابی حنیفہؒ) کہتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے حج ادا نہ کرے، ہاں اس میت کی جانب سے حج کر سکتا ہے جس نے حج فرض ادا نہ کیا ہو، قاضی عیاض فرماتے ہیں امام ابراہیم نخعی (استاذ الاستاذ ابی حنیفہ) اور بعض اسلاف سے مروی ہے کہ کسی کی جانب سے بھی حج درست نہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے، ان حضرات کے نزدیک خواہ مرنے والے نے وصیت کی ہو تب بھی جائز نہیں۔

امام نووی کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دور تابعین و تبع تابعین میں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ تھا۔ اور امام ابراہیم نخعی جو بہت بڑے درجہ کے تابعی اور امام ابو حنیفہ کے استاد الاستاد ہیں وہ دوسرے کی جانب سے حج کو جائز نہ سمجھتے تھے، قرطبی نے امام مالک کا مسلک بیان کیا ہے کہ زندہ کی جانب سے حج نہیں کر سکتا، لیکن مردے کی جانب

سے حج کیا جا سکتا ہے مگر امام محمد نے اپنی مؤطا میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے۔

وقال مالک ابن انس لا ارى ان يحج احد عن احد	امام مالک بن انس کہتے ہیں کہ میں یہ جائز نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص دوسرے کی جانب سے حج کرے۔
مؤطا امام محمد صـ۲۱۳	

امام مالک کا یہ قول زندہ اور مردہ دونوں کو عام ہے۔ یعنی امام مالک کسی کی جانب سے حج کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔

اگر ان تمام احادیث و روایات کو فقہی بحثوں میں الجھے بغیر من و عن بھی قبول کر لیا جائے تب بھی ان سے صرف نیابت ثابت ہوگی۔ نہ کہ خود ساختہ ایصال ثواب اور پہلے تمام ائمہ نے ان روایات کو مسئلہ نیابت ہی میں پیش کیا ہے۔ کسی نے اس سے ایصالِ ثواب ثابت نہیں کیا۔ اور اس کا سب سے بڑا اور اہم ثبوت یہ ہے کہ ان تمام روایات میں حرف عَنْ آرہا ہے۔ جو نیابت پر دلالت کرتا ہے ایک بار پھر تمام روایات پر نظر ڈال دیجئے اور تمام ائمہ کے اقوال کو پڑھ لیجیے ہر مقام پر قارئین کو یہ حرف عن نظر آئے گا جس طرح میت کے ساتھ اس لفظ کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح زندہ کے ساتھ بھی اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر دوسرے کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی عمل کیا جاتا تو اس کے لئے حرف لام لایا جاتا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ	ان کے لئے ان کی کمائی ہے اور تمہارے لئے تمہاری کمائی۔

لیکن ہماری نظر سے آج تک کوئی ایسی حدیث یا روایت نہیں گذری جس میں سائل نے یہ سوال کیا ہو۔ افا حج لہ (کیا میں اس کے لئے حج کروں) افا تصدق لہ (کیا میں اس کے لئے صدقہ کروں) بلکہ ہر جگہ الفاظ نظر آئیں گے۔ افا حج عنہ (کیا میں اس کی جانب سے حج کروں) افا تصدق عنہ (کیا میں اس کی جانب سے صدقہ

کردوں) یعنی اس قسم کے جتنے بھی سوالات وجوابات ہو رہے ہیں ان کا تعلق نیابت سے ہے۔ ایصالِ ثواب سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں تو وہ حدیث صحیح دکھایئے جس میں زندہ نے مرنے والے کے لئے یہ سوال کیا ہو۔ افاتصدق لھا۔ (کیا میں اس کے لئے صدقہ کر سکتا ہوں) افاحج عنھا (کیا میں اس کے لئے حج کر سکتا ہوں) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی ہو، یہ تمام غلط فہمی محاورات کے نہ سمجھنے کے باعث ہو رہی ہے۔ اسی باعث ہمارے علماء ایصال ثواب کے ثبوت میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن کا تعلق نیابت سے ہے اور جن میں وصیت، نذر اور قضاء وغیرہ کا ذکر ہے۔ اور جب ان امور پر اعتراضات کئے جاتے ہیں تو لاجواب ہو کر فتوے صادر کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی سرفراز صاحب کے خطوط سے قارئین کرام نے اندازہ کر لیا ہوگا۔ کہ انھوں نے اپنی بے بسی کا کس طرح اظہار کیا ہے۔ قربان جایئے شیخ الحدیث کی بے بسی پر کہ ایک صفحہ کے مضمون پر ہی بے بس ہو گئے۔ نہ معلوم اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان کا کیا حال ہوگا۔

حالانکہ یہ علماء یہ نہیں سوچتے کہ متعدد احادیث میں زندہ کی جانب سے حج کی اجازت طلب کی جا رہی ہے۔ اور وہ سوال بھی حرف عَنْ کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ کیا زندوں کے لئے بھی ایصالِ ثواب ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارے علماء اوّلاً زندوں کے لئے ایصالِ ثواب کریں۔ کیوں کہ زندہ مردوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جتنے بھی حقوق العباد ہیں بجز کفن، دفن اور نماز جنازہ وغیرہ کے سب زندوں کے متعلق ہیں۔ آخر زندوں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ پاک و ہند کے لوگوں نے ان کو نہ صرف ہر نعمت سے محروم کیا بلکہ ان کے حقوق پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اگر مولوی سرفراز صاحب زندوں کے لئے ایصالِ ثواب کا فتویٰ دیں گے تو ہم سب سے پہلے ان کے لئے ایصال کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ ہم ابھی سے اس کتاب کو ان کے نام سے معنون

کئے دیتے ہیں۔

حدیث سعدؓ بن عبادہؓ

ایصال ثواب کے ثبوت کے لئے مولوی سرفراز صاحب نے چند احادیث پیش کی تھیں جن میں سے ہم نے حدیث عائشہؓ اور اور حدیث ابی ہریرہؓ کا تفصیلی مدلل جواب اپنے مراسلہ میں تحریر کردیا تھا۔ اور انہی جوابات کے باعث ہم خطابات سے نوازے گئے تھے۔ لیکن اس سلسلے میں ایک مشہور روایت حضرت سعدؓ بن عبادہ کی ہے جو ثواب کے ٹھیکیدار عام طور پر پیش کرتے رہتے ہیں ہم اس روایت کے سلسلے میں پہلے صرف اس راوی کے الفاظ کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کی کہانی کا پارٹ ادا ہو سکے ہم سطور ذیل میں اس روایت میں جو جو اختلافات ہیں وہ سب قارئین کے سامنے پیش کر کے اصل واقعہ تحریر کریں گے۔

اس حدیث کو مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ سب سے اول ہم حسن بصری کی روایت لیتے ہیں جو سنن نسائی میں مروی ہے۔

حسن بصری حضرت سعدؓ بن عبادہ سے ناقل ہیں کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری ماں مرگئی کیا میں اس کی جانب سے صدقہ کرسکتا ہوں، عربی الفاظ ہیں

افاتصدق عنھا کیا میں اس کی جانب سے صدقہ کرسکتا ہوں۔

آپ نے فرمایا "ہاں"۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔ اس کے بعد حسن بصری کہتے ہیں۔

فتلک سقایۃ سعد بالمدینۃ یہ مدینہ میں سعد کی سبیل ہے۔

اس روایت میں لفظ عنھا اس امر کا ثبوت ہے کہ سعدؓ اپنی جانب سے کوئی عمل کرنا نہیں

چاہتے تھے۔ بلکہ بطور نیابت مرنے والے کی جانب سے کوئی کام انجام دینا چاہتے تھے۔ جس کی آپ نے اجازت دی ورنہ سوال یہ ہونا چاہئیے تھا۔

افاتصدق لھا کیا میں اس کے لئے صدقہ کردوں۔

حالانکہ یہ سوال قطعاً نہیں کیا گیا۔ اور ہم سطور بالا میں یہ تحریر کر چکے ہیں کہ حرف عن کے ذریعہ نیابت ثابت ہوتی ہے نہ کہ ایصال۔ اس کے لئے لھا کا استعمال ہونا چاہئیے تھا اور صحابہ اہل زباں تھے وہ لفظ کا غلط استعمال نہ کر سکتے تھے۔

سبیل پرست طبقہ عام طور پر بطور استدلال حسن کی اس روایت کو پیش کرتا رہتا ہے اور سعد کی دیگر صحیح روایات کو کبھی سامنے لانا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ لیکن یہ روایت قطعاً ناقابل قبول ہے اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ حسن بصری نے اسے حضرت سعد بن عبادہؓ سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ حسن بصری ۲۲ھ میں پیدا ہوئے جب کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کا انتقال ۱۵ھ میں ہو چکا تھا۔ کیا حسن نے اپنی تخلیق سے آٹھ سال قبل ہی یہ واقعہ سن لیا تھا۔ یا کشف قبر کے ذریعہ یہ روایت معلوم کی تھی۔ نتیجتہً درمیان سے ایک راوی حذف ہو گیا۔ اور یہ روایت مُرسل ہوئی اور مرسل روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور اس پر تو محدثین کا اتفاق ہے کہ حسن اکثر صحابہ سے مرسل روایات نقل کرتے اور درمیان سے راوی گرا دیتے ہیں۔ جو عام طور پر مجہول ضعیف یا کذاب ہوتا ہے۔ اسی لئے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

اضعف المرسلات مرسلات الحسن مرسلات میں سب سے بدترین مرسل حسن بصری کی مرسل ہے۔

تفصیل کسی کو دیکھنی ہے تو امام حاکم کی "معرفۃ علوم الحدیث" یا علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم کی "فتح الملہم شرح مسلم" کا مقدمہ دیکھ لیجئے۔ اس روایت کے مردود ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ دیگر روایات بھی اس کے خلاف ہیں۔

اس روایت کو حسن بصری سے ان کے شاگرد قتادہ نے نقل کیا ہے۔ لیکن قتادہ، سعید بن المسیب سے جو روایت نقل کر رہے ہیں۔ وہ اس کے خلاف ہے۔ سعید بن المسیب نے یہ روایت حضرت سعد بن عبادہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ میری ماں مرگئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

افاتصدق عنها — کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں

آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا۔

ای الصدقۃ افضل — کونسا صدقہ افضل ہے۔

آپ نے فرمایا

سقی الماء — نسائی ج۲ ص۱۱۳ — پانی پلانا

اس روایت میں سبیل سعد کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ اس کا کوئی ذکر ہے کہ حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے لئے کیا کارنامہ انجام دیا۔ حالانکہ سعید بن المسیب مدینہ کے باشندہ ہیں اور ان کی تمام زندگی مدینہ میں گذری ہے۔ انھیں "سبیل سعد" نامی کوئی شئے مدینہ میں نظر نہیں آئی اگر کوئی ایسی سبیل ہوتی تو سعید اسکا ضرور تذکرہ کرتے۔

حسن اتفاق یہ ہے کہ یہ روایت بھی مرسل ہے کیوں کہ سعید بن المسیب ۱۲ھ میں پیدا ہوئے جبکہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کا انتقال ۱۱ھ میں ہو چکا تھا۔ لیکن محدثین کا یہ بھی متفقہ فیصلہ ہے کہ سب سے بہترین مرسلات سعید بن المسیب کی مرسلات ہیں اس لحاظ سے سعید، حسن بصری کی عین ضد ہیں۔ اور مشہور مقولہ ہے۔

کل شئی یعرف باضدادہ — ہر شئے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

لیکن محدثین کے اس اصول سے یہ تصور نہ کر لیا جائے کہ سعید بن المسیب کی ہر روایت قابل قبول ہوگی۔ کیوں کہ یہ صورت حال اس وقت ہے جب کہ مرسل کا مقابلہ مرسل سے ہو۔

لیکن کوئی بھی مرسل متصل روایت کے مقابلے میں پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ بے شک حسن بصری کی مرسل کے مقابلے میں سعید کی مرسل وہی حیثیت رکھتی ہے جو زمین کے مقابلے میں آسمان کی ہے لیکن جس طرح آسمان اور عرش معلیٰ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح مرسل، متصل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہاں اگر کوئی متصل روایت موجود نہ ہوتی تو پھر ہر لحاظ سے سعید کی روایت کو قبول کیا جاتا۔ اور حسن کی روایت کو رد کر دیا جاتا لیکن اتفاق سے سعید کی اس روایت میں خود اختلاف ہے۔ گذشتہ سطور میں جو روایت پیش کی گئی ہے وہ امام نسائی نے حسین بن حریث سے نقل کی ہے جبکہ نسائی نے محمد بن عبداللہ بن المبارک سے یہ روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ حضرت سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سوال کیا

ای الصدقۃ افضل — کونسا صدقہ افضل ہے۔

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

سقی الماء — پانی پلانا۔

اس روایت میں نہ ماں کے مرنے کا ذکر ہے نہ اس کی جانب سے صدقہ کرنے کا۔ اور دونوں روایتوں کی سند ایک ہے۔ صرف آخری راوی مختلف ہیں۔ یعنی ایک روایت کا راوی حسین بن حریث ہے اور دوسری کا محمد بن عبداللہ بن المبارک اگرچہ یہ دونوں راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ لیکن دونوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ محمد بن عبداللہ المبارک حافظ الحدیث ہیں۔ جب کہ حسین بن حریث اس صفت سے متصف نہیں ایسی صورت میں محمد کی روایت کو حسین کی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔

اس سلسلے میں ایک روایت امام مالک نے اپنی موطا میں نقل کی ہے اور پھر امام مالک کی سند سے نسائی نے اپنی سنن میں کہ حضرت سعدؓ ایک غزوے میں گئے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی والدہ کا مدینے میں انتقال ہوگیا۔ کسی نے ان کی طرف

سے مرتے وقت کہا کہ آپ وصیت کر دیجئے۔ انہوں نے جواب دیا میں کس بات کی وصیت کروں، یہ سب سعدؓ ہی کا مال ہے حضرت سعدؓ جب واپس آئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

لعل ینفعها ان اتصدق عنها — اگر میں ماں کی جانب سے صدقہ کروں تو شاید یہ چیز اسے کچھ نفع پہنچائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار فرمایا۔ جس پر سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا یہ ایک احاطہ ہے جو میں ان کی جانب سے صدقہ کرتا ہوں۔ پھر سعدؓ نے اس احاطہ کا نام بھی متعین کیا۔ مؤطا مع مصفّٰی ۲۴۸۔ نسائی ج۔ ۲ ص ۱۱۲

یعنی سبیل وغیرہ کا کوئی چکر نہ تھا۔ بلکہ ایک زمین تھی۔ ہاں اس روایت میں یہ مزید تشریح ہے کہ ان کی والدہ نے کوئی وصیت نہ کی تھی۔ اور حضرت سعدؓ نے یہ سب کچھ والدہ کی طرف سے کیا تھا۔ لیکن جہاں یہ روایت سعیدؒ بن المسیب کی روایت کے خلاف ہے وہاں اس روایت میں کچھ اور بھی نقائص ہیں۔

سب سے اوّل تو اس کی سند غور طلب ہے۔ کیوں کہ امام مالکؒ اسے سعید بن عمر بن شرحبیل بن سعید بن سعدؓ بن عبادہؓ کے ذریعہ نقل کر رہے ہیں۔ یعنی حضرت سعدؓ کے پوتے کے پوتے سے۔ وہ اسے اپنے باپ عمر کے واسطے سے اپنے دادا شرحبیل سے روایت کر رہا ہے۔ اور شرحبیل نے اپنے دادا سعد بن عبادہؓ کو نہیں دیکھا اور نہ اس نے یہ بیان کیا کہ یہ واقعہ وہ کس سے نقل کر رہا ہے۔ وہ اوپر کے راوی کو بیان کئے بغیر واقعہ ذکر کر رہا ہے۔ اس طرح یہ روایت بھی مرسل ہے۔ اور سعیدؒ کی مرسل کے مقابلے میں اسے ہرگز ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

وثانیاً حضرت سعدؓ کے پوتے شرحبیل پھر اس کے بیٹے عمر اور پھر عمر کے بیٹے سعید کا کچھ حال محدثین نے ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ "لسان المیزان" "الجرح والتعدیل" "تاریخ الکبیر"

بخاری "کتاب الضعفاء" للبخاری، کتاب الضعفاء النسائی "تہذیب" لابن حجر اور "میزان الاعتدال" میں ان میں سے کسی کا ذکر نہیں ملتا۔

ثالثاً کوئی اور راوی واقعہ کی یہ نوعیت قطعاً بیان نہیں کرتا۔ اور یہ تمام راوی مجہول الحال ہیں۔

اب ہم اصل روایت کی جانب آتے ہیں تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے کیا عرض کیا تھا اور اسکا کیا جواب ملا؟ اس کے اصل شاہد اور ناقل حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ ان کی روایت تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ان سے نقل کرنے والے بھی دو شخص ہیں، اولاً عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود اور دوسرے عکرمہ یہ عکرمہ ابن عباس کا غلام ہے، اس کی روایت سنن نسائی میں پائی جاتی ہے۔ اس نے بھی ایک اچھی خاصی کہانی نقل کی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا میری ماں مرگئی"

افینفعہا ان تصدقت عنہا — اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا یہ صدقہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے۔

آپ نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ایک باغیچہ ہے میں اسے اپنی ماں کی جانب سے صدقہ کرتا ہوں۔ عکرمہ کے الفاظ ہیں۔

انی قد تصدقت بہ عنہا۔ — میں اسے ماں کی جانب سے صدقہ کرتا ہوں

نسائی ج ۲ ص۱۲۱ ترمذی ج ۱ ص۱۳۳

اس روایت میں اور مؤطا کی گذشتہ روایت میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ یہ ایک دوسرے کا چربہ ہیں۔ ویسے بھی یہ جناب عکرمہ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام ہیں پہنچے ہوئے بزرگ ہیں ان کی شان بیان کرتے ہوئے ہمیں خوف محسوس ہوتا ہے کہ مولوی سرفراز صاحب مزید ناراض نہ ہو جائیں۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے ناراض ہیں کہ ہم بزرگوں میں کیڑے نکالتے ہیں۔ اور جو شخص

بزرگوں میں کیڑے نکالے وہ منکر حدیث ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ہر شخص مرنے کے بعد بزرگ بن جاتا ہے۔ اس سے صرف خاندانِ بنو امیہ اور خاص طور پر یزید خارج ہے۔ وہ بیچارہ مرنے کے بعد بزرگ بننے کا اہل نہیں تھا۔ بلکہ اپنے لئے لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

یہ جناب عکرمہ تابعین میں امام التفسیر سمجھے جاتے ہیں، بربر قوم سے تعلق رکھتے ہیں، بخاری، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ نے اس سے روایات لی ہیں۔ لیکن امام مالک اور امام مسلم نے اس کی کوئی روایت نہیں لی۔ امام سعید بن المسیب، امام محمد بن سیرین امام عمرو بن دینار اور امام حماد بن زید اسے کذاب کہتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رض کے صاحبزادے علی تو برملا کہتے تھے کہ یہ میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔ ویسے بھی ماشاءاللہ خارجی تھے۔ اور تمام مسلمانوں کا قتل واجب سمجھتے تھے یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ مولوی سرفراز صاحب انھیں بزرگ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس لحاظ سے ہمیں ڈر محسوس ہوتا ہے کہ یہ بخاری کے راوی ہیں۔ ہماری ان سے یہ عرض ضرور ہے کہ آج تک ہم نے خود کسی راوی میں کیڑے نہیں نکالے بلکہ جن لوگوں نے کیڑے نکالے تھے۔ ان کے نام ہم نے ہمیشہ پیش کئے ہیں عکرمہ میں جن حضرات نے کیڑے نکالے ہیں ان کا مقام بخاری سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ بات ہم نے صرف اس لئے تحریر کی ہے کہ کہیں جذبات میں مولوی صاحب بہہ کر ان حضرات کو بھی منکر حدیث نہ بنا دیں۔ ہم میں اور مولوی سرفراز صاحب میں فرق یہ ہے کہ انہوں نے ہر مرنے والے کی وکالت اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور ہم نے امام یحییٰ بن معین کی طرح ہر راوی کی قلعی کھولنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ اگرچہ ہم دونوں کے اساتذہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ ان کا مسلک چشم پوشی ہے اور ہمارا مسلک اظہارِ حقیقت۔ انہوں نے اپنا مسلک اپنے اساتذہ سے حاصل کیا ہے اور میں نے اپنے اساتذہ سے۔

اب اصل روایت کی جانب آیئے۔ اور دیکھئے بات کیا سے کیا بنی؟ اور کس طرح اصل

واقعہ میں رنگ آمیزی کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ۔

ان امی ماتت وعلیها نذر لم تقضه	میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر تھی جو وہ پوری نہ کر سکی۔
آپ نے فرمایا۔	
اقضه عنها	تو اس کی جانب سے پوری کر دے۔

بخاری ج ۲ صفحہ ۹۹۱ نسائی ج ۲ صفحہ ۱۱۲ ترمذی ج ۱ صفحہ ۱۲۲۔ ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۱۱۲ مؤطا امام محمد مترجم صفحہ ۳۴۳ مؤطا مع کشف الغطا صفحہ ۴۹۳

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ اور جس کے کسی راوی پر کسی بھی محدث نے انگشت نمائی نہیں کی۔ اس میں نہ کسی سبیل کا تذکرہ ہے نہ کسی بلیغیے کا اور نہ میت کی جانب سے صدقہ کرنے کا۔ بلکہ یہ تو معاملہ نذر کا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ مرنے والے نے اگر نذر مانی تھی تو اسے اس کا وارث اسی طرح پورا کر سکتا ہے جس طرح اسے اس کی وصیت پورا کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہاں اگر نذر یا وصیت خلاف شرع ہو تو وہ ہرگز پوری نہ کی جائے گی۔

اکثر روایات سے یہ تو ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ وہ نذر کیا تھی۔ لیکن سلیمان بن کثیر نے جو روایت نقل کی ہے اس سے اس کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سلیمان بن کثیر نے یہ روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ کہ سعدؓ نے آکر عرض کیا۔

ان امی ماتت وعلیها نذر	کہ میری ماں مرگئی۔ اور اس کے ذمے نذر
افیجزی عنها ان اعتق	تھی۔ اگر میں اس کی جانب سے غلام آزاد

عنہا — کروں تو کیا یہ اس کی جانب سے کافی ہوگا

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اعتق عن امک — اپنی ماں کی جانب سے غلام آزاد کر

نسائی ج ۲ ص۱۱۲

یعنی سبیل وغیرہ کا کوئی چکر نہ تھا۔ بلکہ غلام کی آزادی کا مسئلہ تھا۔ جسے عکرمہ۔ حسن بصری اوران کے ہمنوا بزرگوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اور سعدؓ کی والدہ نے نذر مانی تھی۔ وصیّت اور عدم وصیت کا کوئی جھگڑا نہ تھا۔ ہاں ہم اپنے علماء سے یہ عرض کریں گے ان سب روایات میں صرف عَنْ موجود ہے جو نیابت کو ثابت کر رہا ہے۔

امّت کی جانب سے قربانی

ہمارے علماء اور علی الخصوص مولوی سرفراز صاحب نے ایصالِ ثواب کے ثبوت میں وہ روایت پیش کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی فرمائی گویا ان کے نزدیک یہ قربانی ان حضرات صحابہ کے لئے کی گئی تھی جو حضور کی حیات میں انتقال کر چکے تھے۔ کیوں کہ اگر لفظ امت کو عام تسلیم کیا جائے تو لازم آئیگا کہ زندوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اسی لئے مولوی صاحب نے اسے پہلے ہی مُردوں کیلئے خاص کر دیا۔ اولاً یہ حضرات یہ امر تسلیم کرلیں کہ زندوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایصال جائز ہے۔ پھر اس روایت کو استدلال میں پیش کرنا صحیح ہوگا۔ ورنہ یہ روایت ماردوں گھٹنہ پھوٹے آنکھ کا مصداق ہوگی۔ کیوں کہ اس روایت میں کسی خاص فرد یا مردوں کی جانب سے قربانی کا ذکر نہیں۔ بلکہ امت کی جانب سے قربانی کا ذکر ہے جو عام ہے اور اگر اس لفظ کو صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص کیا جائے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں انتقال کر چکے تھے تو پھر تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ مولوی سرفراز صاحب اور انہی دور کے تمام افراد امت ہونے سے خارج ہیں۔ اگر ایصال پرست ملّا ایسا تصور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو امت محمدیہ میں داخل تصور نہیں کرتے تو انھیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان کا تعلق کونسی امت سے ہے؟

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی

فرمائی۔ تو یہ روایت دو صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عائشہؓ لیکن ہر دو روایت میں اختلاف ہے۔ اور ان دونوں روایات کی کوئی سند ایسی نہیں جو ضعف سے خالی ہو۔ اس سلسلہ میں جو بہترین روایت سمجھی جاتی ہے۔ وہ روایت ہے جو ابوداؤد اور ترمذی میں بایں الفاظ مروی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں۔

شہدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاضحی فی المصلی فلما قضی خطبتہ نزل من منبرہ و اتی بکبش فذبحہ رسول اللہ و اللہ اکبر ھذا عنی و عمن لم یضح من امتی

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے دن عیدگاہ میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے خطبہ پورا فرمالیا تو منبر سے نیچے اترے آپ کے سامنے ایک مینڈھا پیش کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر یہ میری اور میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے جو قربانی نہ کر سکیں۔

ابوداؤد ج ۲ ص۳۲ ترمذی ج ۱ ص۱۱۹

اس حدیث سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ دو مینڈھے قربان نہیں کئے گئے تھے۔ بلکہ صرف ایک مینڈھا قربان کیا گیا تھا جس میں حضور خود بھی شریک تھے۔ پھر یہ قربانی عیدگاہ میں عمل میں لائی گئی تھی۔ اور جب خود حضور نے یہ قربانی اپنی اور امت کی جانب سے فرمائی اور خود کو بھی اس میں شریک کیا تو ایصال کا کیا مسئلہ باقی رہا۔ اس لئے کہ اس قربانی میں ایک زندہ بھی شامل ہے اور ایصال کرنے والا اپنی جانب سے اپنے نام ارسال نہیں کرتا۔ زندہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل اپنی جانب سے انجام دے رہے ہیں۔ اور انسان جب خود قربانی کرتا ہے تو اس کا گوشت کھانا بلکہ جمع کر کے رکھنا بھی حلال ہے۔ اور جو چیز بطور صدقہ دوسروں کے لئے انجام دی

جاتی ہے وہ فقراء کا حق سمجھی جاتی ہے اس صورت میں حضور کے لئے اس کا کھانا حرام ہوگا کیونکہ حضور کے لئے صدقہ کا کھانا حرام تھا۔ ایسی صورت میں ہمارے علماء کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت قطعاً تناول نہیں فرمایا۔

امام ترمذی اس روایت کو نقل کر کے یہ فیصلہ سناتے ہیں۔

هذا حديث غريب	یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور
من هذا الوجه والمطلب	مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے بارے میں
بن عبد الله بن حنطب	کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت جابر سے کوئی
يقال انه لم يسمع من جابر	حدیث نہیں سنی۔

ترمذی ج ۱ ص ۲۱۹

اس روایت کی ابوداؤد اور ترمذی میں ایک ہی سند ہے یعنی حضرت جابر، مطلب بن عبداللہ، عمرو بن ابی عمرو، یعقوب الاسکندرانی اور قتیبہ بن سعید۔ یعنی امام ابوداؤد اور امام ترمذی کے زمانہ تک اس حدیث کا ہر زمانے میں صرف ایک ایک راوی رہا ہے یعنی قتیبہ بن سعید جو ابوداؤد اور ترمذی کے استاد ہیں۔ ان کے زمانہ تک اس روایت کا کسی زمانے میں بھی دوسرا راوی نظر نہیں آتا۔ اور قتیبہ کا انتقال سنہ ۲۴۰ھ میں ہوا۔

پھر لطف یہ کہ حضرت جابرؓ سے اسے نقل کرنے والا مطلب بن عبداللہ بن حنطب ہے۔ اور ترمذی کہتے ہیں کہ اس نے حضرت جابرؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس طرح یہ روایت درمیان سے منقطع ہے اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔

اسی باعث قرون اولیٰ سے اس میں اختلاف ہے کہ مردے کی جانب سے قربانی جائز ہے یا ناجائز۔ بعض اسے جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔ اور امام عبداللہ بن المبارک جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں مردے کی جانب سے قربانی نہ

کی جائے۔ لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ قربانی کا گوشت تمام صدقہ کر دے۔ اور قطعاً خود کچھ نہ کھائے۔ ترمذی جز۔ ا صفحہ ۲۱۹

بقول ابن المبارک مردے کی جانب سے جو قربانی کی جائے گی اسکا خود کھانا جائز نہیں تو ایصال ثواب کے نام پر جو ڈنر دیئے جاتے ہیں یا حضور کی جانب سے جو قربانی کی جاتی ہے اس کا کھانا کیسے جائز ہوگا۔ یہ فتویٰ امام ابو حنیفہ کے ایک ایسے شاگرد رشید کا ہے جو خود اپنے زمانے کے امام الحدیث سمجھے جاتے ہیں۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ مردے کی جانب سے قربانی نہ کی جائے۔ یہی بات شیخ الہند حضرت محمود الحسن دیوبندی نے ابوداؤد کے حاشیہ پر اس حدیث کی شرح میں فرمائی ہے۔

جہاں تک اس کی سند کا تعلق ہے تو اولاً تو یہ روایت منقطع ہے کیوں کہ مطلب بن عبداللہ جو اسے حضرت جابر رضہ سے روایت کر رہا ہے۔ اس میں یہ مرض عام ہے کہ وہ صحابہ سے جب روایات نقل کرتا ہے تو درمیان سے راوی حذف کر دیتا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ

وھو یرسل عن کبار الصحابہ کابی موسیٰ و عائشۃ
میزان الاعتدال جز ۴ صفحہ ۱۲۹

وہ بڑے بڑے صحابہ مثلاً ابو موسیٰؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ سے مرسل روایات نقل کرتا ہے

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

کثیر التدلیس والارسال — تدلیس اور ارسال بہت کرتا ہے۔
تقریب صفحہ ۳۳۸

بلکہ اسی باعث محدثین میں اختلاف ہے کہ اس کی روایت قابل اعتبار تسلیم کی جائے یا نہیں اور خود یہ ثقہ ہے یا نہیں۔ ابوزرعہ رازی اور دار قطنی کہتے ہیں یہ ثقہ

ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں اس سے اگرچہ کافی احادیث مروی ہیں لیکن اس کی حدیث حجت نہیں۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۲۹

مطلب بن عبداللہ سے اسے روایت کرنے والا عمرو بن ابی عمرو ہے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

ثقة ربما وهم

ثقہ ہے لیکن اسے بسا اوقات حدیث میں وہم ہوتا تھا۔

تقریب ص ۲۶۱

یعنی اس میں وہم کا مادہ ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام احمد اور ابوحاتم رازی فرماتے ہیں اس میں کوئی برائی نہیں۔ لیکن ابوداؤد جو اس حدیث کو عمرو سے نقل کر رہے ہیں ان کا فیصلہ یہ ہے۔

ليس بذاك وفي لفظ ليس بالقوي

یہ کچھ نہیں ہے۔ کبھی فرمایا قوی نہیں ہے۔

میزان ج ۴ ص ۲۸۱

یحیٰی بن معین فرماتے ہیں۔ یہ قوی نہیں اور نہ اس کی حدیث حجت ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں مضطرب الحدیث ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ عبدالحق کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں۔ ابن القطان کہتے ہیں ضعیف ہے۔ اس کی روایات خود اس کے ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔ میزان ج ۲ ص ۲۸۲

حاصل یہ کہ عمرو بن ابی عمرو کی روایت حجت نہیں۔ اس طرح یہ دونوں راوی ناقابل اعتبار ہیں۔ لہٰذا یہ روایت قطعاً ناقابل قبول ہے۔

پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ عام ایک فعل انجام دیا تھا تو یہ چاہیئے تھا کہ متعدد صحابہ اسے روایت کرتے۔ اور پھر جوں جوں سلسلہ

آگے بڑھتا اتنا ہی اس کے راویوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس ۲۴۰ھ تک ہر زمانہ میں صرف ایک ایک راوی رہا ہے۔ جو اس روایت کو مشکوک بنا رہا ہے دو راوی ناقابل اعتبار ہیں اور روایت بھی منقطع ہے۔ ایسی صورت میں یہ روایت قطعاً اس لائق نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ اور علی الخصوص جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ سے یہ واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے لیکن اس روایت اور اس روایت میں بین فرق ہے۔ ہم ابوداؤد کے حوالے سے اس روایت کے الفاظ من و عن قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں

عن جابر بن عبداللہ
قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یوم الذبح کبشین
اقرنین املحین موجوئین و
وجھھما قال انی وجھت
وجھی للذی فطر السموٰت
والارض علی ملت ابراھیم
حنیفا وما انا من المشرکین ۰
ان صلاتی ونسکی و
محیای ومماتی للّٰہ
رب العلمین ۰ لاشریک
لہ وبذلک امرت و
وانا اول المسلمین ۰
اللھم منک ولک

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن دو سینگوں دار مینڈھے جو خصی تھے ذبح کئے اور جب انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا پڑھی انی وجھت مسلمین تک اے اللہ یہ آپ ہی کی جانب سے ہے اور آپ کے لئے ہے محمد اور اس کی امت کی طرف سے۔ بسم اللہ واللہ اکبر پھر آپ نے ذبح کیا۔

عَنْ محمد و امتہ بسم
اللّٰہ واللہ اکبر ثم ذبح

ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۳۰ - ابن ماجہ مترجمہ
ج ۲ صفحہ ۲۶۵ - سنن داری ج ۲ صفحہ ۷۶

جابر کی پہلی روایت میں قربانی کی دعا کی کوئی تفصیل موجود نہ تھی۔ اور اس میں مینڈھوں کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ جو اس روایت میں زیادہ ہے۔ پھر اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے امت کے صرف ان افراد کی جانب سے قربانی کی تھی جو قربانی نہ کر سکیں لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی تمام امت کی جانب سے کی گئی۔ اس روایت میں صرف ایک مینڈھے کا ذکر تھا۔ اور اس روایت میں راوی نے دو مینڈھوں کا ذکر کیا ہے۔ اور مولوی سرفراز صاحب نے اپنے خط میں دو مینڈھوں کا حوالہ دیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ حضور یہ عمل اکثر و بیشتر کیا کرتے تھے حالانکہ ان ہر دو روایات میں اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ مولوی سرفراز نے کئی روایتوں کو خلط ملط کر کے متعدد کتابوں کے حوالے پیش کر دئے ہیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے۔ تو یہ بھی ایک ہی سند سے مروی ہے۔ اور اس کی سند میں متعدد عیوب موجود ہیں۔ لیکن ہم صرف ایک عیب کا تذکرہ کریں گے۔ اور وہ عیب محمد بن اسحٰق کی ذات ہے۔ ہم ان ذات شریف کے سلسلے میں اپنی جانب سے کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ یہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں کہیں مولوی صاحب یہ الزام قائم نہ فرما دیں کہ ہم مسلم کے راویوں میں کیڑے نکال رہے ہیں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہم مولوی سرفراز صاحب کی کتاب "احسن الکلام" سے اس محمد بن اسحاق کا حال نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ انہوں نے اس مسلم کے راوی میں کتنے کیڑے نکالے ہیں۔ کیوں کہ یہ کیڑے نکالنا ان کے

لئے حلال ہے۔ اور ان کی منشا کے خلاف کیڑے نکالنا حرام ہے۔ لہٰذا محمد بن اسحاق کا حال مولوی سرفراز صاحب کی زبانی سنیئے۔

"محمد بن اسحاق کو گو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محدثین اور ارباب جرح وتعدیل کا تقریباً بچانوے فی صدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔ اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے تصریحات ملاحظہ کریں۔"

امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے۔ (ضعفاء صغیر ص۵۲) ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل ج ۱ ص۴۳۳) ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ مجہول روایت سے باطل روایت نقل کرتا ہے۔ (بغدادی ج ۱ ص۲۲۷) دار قطنی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ (الفیا ج ۱ ص۲۲۳) سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے وہ کذاب ہے امام جرح وتعدیل یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان ج ۳ ص۲۱) وہیب بن خالد اس کو کذاب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب) ج ۹ ص۴۵) امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں کا ایک دجال تھا (میزان ج ۳ ص۲۱) و تہذیب التہذیب ج ۹ ص۴۱) نیز امام مالک نے اسے کذاب کہا ہے (بغدادی ج ۱ ص۲۲۳) جریر بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا خیال ہرگز نہ تھا کہ میں اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاق سے احادیث کی سماعت کریں گے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲۔ ص۳۰۹) ابو زرعہ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا۔ (توجیہ النظر ص۲۸) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں (سنن الکبریٰ بحوالہ الجوہر النقی ج ۱ ص۱۵۵) علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ ابن

اسحاق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے۔ (الجواہر النقی ج۱ ص۱۵۵) عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبل سنن اور احکام میں اس سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔ (بغدادی ج۱ ص۲۳۰ تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۲) حنبل بن اسحاق کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ ابن اسحاق حجت نہیں ہے (بغدادی ج۱ ص۲۳۰ تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۴) ایوب بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا۔ ابن اسحاق جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی فرمایا بخدا ہرگز نہیں۔ (بغدادی ج۱ ص۲۳۰) ابن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس کو لیس بذاك اور لیس بالقوی کہا۔ میمونی کا بیان ہے کہ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (بغدادی ج۱ ص۲۳۱ تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۴) علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میرے نزدیک ابن اسحاق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاری سے روائتیں لے کر بیان کرتا ہے (تہذیب ج۹ ص۴۵) امام ترمذی لکھتے ہیں کہ محدثین نے ان کے حافظ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے۔ (کتاب العلل ج۲ ص۲۳۶) امام نووی لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہے ان میں ایک محمد بن اسحاق بھی ہے۔ (مقدمہ نووی ص۱۶) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے۔ اور حرام وحلال میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ (تذکرہ ج۱ ص۱۶۳) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ابن اسحاق احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ منفرد ہو۔ اور جب کوئی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاق کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درایہ ص۱۹۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ امام احمد نے ابن اسحاق کی روایت کو منکر کہا ہے اور اسکو ضعیف بتایا ہے (زاد المعاد ج۱ ص۱۴۳) احسن الکلام ج۲ ص۱۷ و ص۲۰۷

یہ مولوی سرفراز صاحب کی تحریر کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ محمد بن اسحاق پر مولوی سرفراز کا کلام ابھی جاری ہے۔ ہم نے ابتدائی عبارت نقل کر دی ہے۔ محمد بن اسحاق کے علاوہ مولوی سرفراز صاحب نے علاء بن عبدالرحمٰن مکحول اور اوزاعی وغیرہ پر بھی کلام کیا ہے۔ یہ سب مسلم کے راوی ہیں۔ اور علماء دیوبند نے اس کتاب پر تقریظات لکھی ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی شیخ الحدیث ہیں اور اور ہم نے مسلم کے ایک راوی کے ضعف کی جانب صرف اشارہ کیا تھا۔ تو مولوی سرفراز صاحب چراغ پا ہو گئے۔ آخر یہ دورنگی پالیسی کیوں اختیار کی گئی۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر دورنگی یہ ہے کہ بطور دلیل ہمارے سامنے وہ روایت پیش کر رہے ہیں جسکا واحد راوی محمد بن اسحاق ہے۔ اور اس میں انھوں نے خود اتنے کیڑے بھرے ہیں کہ اب ان کا نکالنا بھی ایک امر محال ہے۔ ہاں ہمیں حیرت تو اس بات پر ہے کہ ایسے کذاب دجال راوی کی روایت پر کس طرح اعتماد کر کے ایصال ثواب کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ غالباً وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ ان مسائل میں تو راویوں پر جرح کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مقصود دین ہے۔ جن کا تعلق فروعی مسائل سے ہو۔ اور جن روایات کا تعلق عقائد، ایمانیات، مناقب اور حلال و حرام سے ہو ان میں جرح ممنوع ہے۔

ہم جب ان کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جن کے حوالے مولوی سرفراز صاحب نے دیئے ہیں اور ان ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہیں جن کو خود مولوی سرفراز صاحب نے نقل کئے ہیں تو ہمیں خارج از دین قرار دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ہماری تحریر سے ان فضولیات پر زد پڑتی ہے جو یہ حضرات ابا عن جد کرتے چلے آئے ہیں اور چوں کہ ان کے عجمی اکابرنے

ان فضولیات کو ہمیشہ اپنایا ہے۔ لہٰذا ان اکابر کے مقابلے میں ان علماء کرام کے اقوال کو ناقابلِ قبول قرار دینے کے لئے تاویلات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

یہ تو حضرت جابر کی روایت کا حال ہے۔ اب اس روایت کو بھی ملاحظہ فرما لیجئے جو حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب ہے۔ اس روایت کے الفاظ ہیں

عن عائشہ ان رسول
الله صلى الله عليه وسلم
امر بكبش اقرن يطأ في
سواد وينظر في سواد
ويبرك في سواد فاتي
له فضحي به فقال
يا عائشة هلمي المدية
ثم قال بسم الله اللهم
تقبل من محمد و من
آل محمد ومن امة
محمد ثم ضحى به

ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹ مسلم ج ۲ ص ۱۵۶

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک
سینگوں والا مینڈھا لایا جائے
جس کے پیر سیاہ ہوں، آنکھوں
کے چاروں طرف بھی سیاہی ہو
اور پیٹ بھی سیاہ ہو۔ ایسا مینڈھا
لایا گیا۔ آپ نے اسے قربان
کیا اور فرمایا اے عائشہؓ
چھری لا۔ اور اسے پتھر پر گھس لے
آپ نے چھری لی مینڈھا پکڑا۔ اور
اسے پہلو کے بل ڈال۔ اور فرمایا بسم اللہ
اے اللہ محمد، آل محمد اور امت
کی جانب سے قبول فرما۔ پھر اسے
قربان کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مینڈھا ایک ہی تعداد و نہ تھے پھر وہ عیدگاہ میں ذبح نہیں کیا تھا۔ بلکہ گھر پر کیا گیا تھا۔ جبھی تو حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ چھری لا۔ اور پتھر پر رگڑ کر اسے تیز کر لے۔

پھر اس قربانی میں جہاں حضور خود شریک تھے۔ وہاں ازواجِ مطہرات اور امتِ محمدیہ بھی شریک تھی۔ حضور اور ازواجِ مطہرات کی شرکت یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ قربانی زندوں کی جانب سے عمل میں آئی تھی نہ کہ مردوں کی جانب سے جو ایصالِ ثواب کا معاملہ پیش آتا۔

اور پہلے ائمہ کرام نے اس سے ایصالِ ثواب کے بجائے یہ ثابت کیا ہے کہ پورے گھر کی جانب سے ایک قربانی جائز ہے۔ اور سنتِ کفایہ ہے۔ اگر اسے گھر میں سے ایک شخص بھی ادا کرے گا تو کافی ہوگی۔ یہی بات شیخ الہند رحمۃ اللہ نے ابو داؤد کے حاشیہ میں لکھی ہے

اور امام نووی نے شرح مسلم میں ائمہ کا اختلاف لکھ کر یہ بھی تحریر کیا ہے۔

وزعم الطحاوی ان ھذا الحدیث منسوخ او مخصوص:

اور امام طحاوی حنفی کا خیال ہے کہ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے۔ یا حضور کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسلم ج ۲ ص ۱۵۶

اور امام طحاوی مشہور حنفی ہیں۔ اور یہ بات انھوں نے صرف اس لئے فرمائی ہے کہ احناف کے نزدیک ہر شخص پر اپنی قربانی علیحدہ مسنون ہے۔ گویا ان کے دور تک کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس سے ایصالِ ثواب ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ وہ واحد روایت ہے جسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اسکے کسی راوی پر کوئی خاص اعتراض نہیں۔ اور یہ زندوں کی جانب سے عمل میں آئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ خبرِ واحد ہے۔ اور خبرِ واحد سے عمل تو ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن عقیدہ کا ثبوت کسی امام کے نزدیک جائز نہیں۔ اور ایصالِ ثواب کا مسئلہ عقائد سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا ایسی روایت سے اس کا ثبوت ممکن نہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی کی اس کی وجہ کیا ہے۔ اور کیا یہ سنتِ عام ہے کہ دوسرے بھی امت کی جانب سے قربانی

کر سکیں، یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جہاں تک اس کے سنت عامہ ہونے کا تعلق ہے تو آج تک کسی عالم نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا کہ دوسرے بھی امت کی جانب سے قربانی کر سکتے ہیں۔ تمام امت کا یہ تعامل خود یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے یہ عمل دیگر افراد قطعاً انجام نہیں دے سکتے جس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے

وہ وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنین کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ حقدار ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔	نبی مومنین کی ان کی جانوں سے زیادہ حقدار ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مزید چند ذمہ داریاں ڈالی گئیں جن میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ آپ مومنین کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ	اور آپ ان کے لئے استغفار کیجئے

بلکہ بتاکید یہ حکم دیا گیا۔

وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ	ان کے لئے دعائے رحمت کیجئے۔ کیوں کہ آپ کی یہ دعا ان کے لئے سکون کا سبب ہو گی۔

اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمایا۔

لا یموت فیکم میت وانا بین اظهرکم الا اذنتمونی به فان	جب تک میں تم میں موجود ہوں اگر کوئی شخص تم میں سے مرتا ہے تو مجھے اس کی اطلاع ضرور دو۔ کیوں کہ اس کے لئے

صلوٰتی لہٗ رحمۃ — میری دعا رحمت کا سبب ہے۔

نسائی ج۱ ص۲۰۵

اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کی موت کی اطلاع نہ دی جاتی تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے جاتے اور اس کی نماز جنازہ ادا کرتے۔ اور اسی لئے آپ وفات سے چند روز پیشتر میدانِ احد تشریف لے گئے اور شہدا کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اس حالت میں مرتا کہ اس کے ذمہ قرض ہوتا اور اس نے کوئی مال نہ چھوڑا ہوتا تو حضور اس کے قرض کی ذمہ داری اپنے سر لیتے۔ اسی طرح اگر اولاد چھوڑی ہے اور کوئی مال نہیں چھوڑا تو اس کی ذمہ داری بھی اپنے ذمہ لیتے بلکہ کھل کر یہ اعلان فرمایا۔

مَنْ ترك مالا فلورثتہ و	جو شخص مال چھوڑ کر مرے۔ وہ مال اس
من ترك كلا فالينا	کے وارثوں کا ہے۔ اور جو بے مال اولاد
بخاری ج۱ ص۳۲۳	چھوڑ کر مرے وہ ہمارے ذمہ ہے۔

یعنی اس کی اولاد کی ذمہ داری بھی ہمارے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

ما من مؤمن الا و انا اولی	میں ہر مومن کا دنیا و آخرت میں سب سے
بہ فی الدنیا والآخرۃ	زیادہ حقدار ہوں۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت
اقرء وا ان شئتم اَلنَّبِیُّ	پڑھ لو "نبی مومنین کے ان کی جانوں
اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ	سے زیادہ حقدار ہیں"۔ پس جو مومن بھی
فایما مومن مات وترك مالا	مر گیا۔ اور وہ مال چھوڑ گئے تو یہ مال اس
فلیرثہ عصبتہ ومن ترك	کے عصبہ کا ہوگا۔ اور جو قرض یا تاوان چھوڑ

دنیا او ضیاعا فلیاتنی فانا   کر مرے۔ تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

رواہ   بخاری ج-۱ ص ۳۲۳۔ نسائی ج-۱ ص ۱۹۹

اس صورت میں یہ قربانی بھی یہی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ نے اُمّت کے ان افراد کی جانب سے قربانی فرمائی جو قربانی نہ کر سکتے تھے۔ ہاں ایک امکان یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ تمام امور بحیثیت ایک والی اور حاکم کے انجام دیئے ہوں۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا ہوگا کہ حاکم وقت تو یہ کام انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اوروں کو تو یہ بھی حق حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک یہ تخصیص رسول ہے، اور امام طحاوی نے بلا وجہ اس کی تخصیص کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حق پر عمل کر رہے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ یعنی آپکو تمام مسلمانوں کا نگراں اور ذمہ دار بنا دیا تھا جس طرح ایک باپ اولاد کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آپؐ نے یہ عمل کر کے اپنی وہ ذمہ داری پوری فرمائی۔

حضرت علی کا عمل

اس موضوع پر ایک روایت حضرت علی سے بھی نقل کی جاتی ہے۔ کہ حضرت علیؓ ہر سال دو مینڈھے قربان کرتے، جب ان سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں آپ کی جانب سے قربانی کروں لہٰذا میں آپ کی جانب سے قربانی کرتا ہوں۔

ابوداود ج ۲ ص ۲۹، ترمذی ج ۱ ص ۲۱۶

اس عمل پر تبصرہ کرنے سے قبل یہ بتانا انتہائی ضروری ہے کہ حضرت علی سے مروی احادیث اور ان کے اقوال و افعال محدثین کی نظر میں انتہائی مشکوک ہیں اسلئے کہ کوفہ میں جتنے بھی لوگ ان کے ساتھ تھے۔ یہ سب جھوٹ گھڑنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر حضرت علی اور ان کی اولاد کی جانب اتنا جھوٹ منسوب کیا گیا ہے کہ کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ حتیٰ کہ محدثین یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہو گئے کہ ان اصحاب علی کلھم کذابون حضرت علیؓ کے تمام ساتھی جھوٹے ہیں۔

اور امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی

ان عامۃ ما یروی عن علی باطل	حضرت علیؓ سے جتنی روایات نقل کی جاتی ہیں۔ وہ عام طور پر باطل ہیں۔
میزان ج ۱ ص ۴۳۶	

اور امام شعبی کوفی فرماتے ہیں۔

ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علی	اس امت میں کسی فرد واحد پر اتنا جھوٹ نہیں بولا گیا۔ جتنا حضرت علیؓ پر بولا گیا ہے
میزان ج ۱ ص ۴۳۶	

حتیٰ کہ امام مغیرہ تو یہاں تک کہتے ہیں۔

لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعود	حضرت علیؓ سے روایت کرنے والوں میں کوئی سچا نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں اگر عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ان سے حدیث روایت کریں تو صحیح ہے۔
مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰	

ابو اسحٰق سبیعی جنھوں نے حضرت علیؓ سے چند احادیث سنی ہیں وہ فرماتے ہیں

لما احدثوا تلک الاشیاء بعد علی قال رجل من اصحاب علی قاتلھم اللہ ای علم افسدوا	جب ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی موت کے بعد یہ جھوٹ وضع کیا تو علیؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے بے ساختہ کہا اللہ انھیں برباد کرے۔ انہوں نے کتنے بڑے علم کو برباد کر دیا ہے۔
مقدمہ مسلم ص ۱۰ ج ۱	

حتیٰ کہ حضرت علی کی وفات کے فوراً بعد ایک کتاب ان کی جانب لکھ کر منسوب کی گئی۔ جس میں بقول ان کذابین کے حضرت علیؓ کے فیصلے تھے۔ پھر وہ کتاب حضرت

ابن عباس کے سامنے پیش کی گئی. انہوں نے چند فیصلے چھوڑ کر باقی پر قلم پھیر دیا اور فرمایا۔

واللہ ما قضی بھذا علی	اللہ کی قسم علی نے یہ فیصلہ نہیں کئے، ہاں
الا ان یکون ضل۔	گمراہی کی حالت میں یہ فیصلے کر سکتے تھے۔

مقدمہ مسلم ج ۱ ص

گویا یہ فیصلہ تو تمام محدثین کے نزدیک مسلمہ ہے کہ حضرت علیؓ کی جانب روایات مشکوک ہیں، اور وہ روایات جو ان سے ان کے ساتھی نقل کریں تو وہ قطعاً ناقابل اعتبار ہیں۔ ہاں اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ان سے روایت کریں تو وہ صحیح ہونگی۔ مثلاً ابو وائل شقیق بن سلمہ، زر بن جبیش، قاضی شریح، علقمہ، مسروق اور عبیدہ وغیرہ. لیکن ایسی روایات تمام کتب احادیث میں چند سے زیادہ نہ ملیں گی۔

ہاں محدثین حضرت علیؓ کی وہ روایات بھی قبول کرتے ہیں جو ان سے دیگر صحابہ روایت کریں، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ ابو الطفیلؓ اور ابو لیلیٰؓ وغیرہ لیکن اس قسم کی تمام روایات اسوقت قابل قبول ہوں گی جبکہ نیچے کے تمام راوی بھی ثقہ ہوں اور ان میں کوئی رافضی داخل نہ ہو۔

ایسی صورت میں سب سے اول یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت علیؓ کے اس عمل کو نقل کرنے والا کون ہے، وہ صحابی رسول ہے یا عبداللہ بن مسعود کا شاگرد ہے، یا علیؓ کا کوئی ساتھی ہے۔ اگر حضرت علیؓ کا ساتھی ہے تو پھر تو وہ اول درجہ کا جھوٹا ہے۔ کیوں کہ یہ سب قاتلین عثمانؓ تھے۔

ہم جب اس روایت کی سند کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کی سند کے اکثر راوی خالص شیعہ ہیں، اور حضرت علیؓ سے اس عمل کو نقل

کرنے والا ان کا ایک ساتھی حنش نامی ہے۔ یہ حنش بن المعتمر کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسے حنش بن ربیعۃ الکنانی بھی کہا جاتا ہے، کوفہ کا باشندہ تھا، حضرت علیؓ اور حضرت ابو ذرؓ سے روایات نقل کرتا ہے۔

بخاری و مسلم نے اس سے کوئی روایت نقل نہیں کی، نسائی نے اگرچہ اس سے روایت لی ہیں۔ لیکن یہ روایت قطعاً نقل نہیں کی۔ بلکہ کتاب الضعفاء[۲۶] میں فرماتے ہیں۔

لیس بالقوی — یہ قوی نہیں۔

ایک تنہا ابوداؤد ہیں، جو اسے ثقہ سمجھتے ہیں۔ بخاری لکھتے ہیں کہ محدثین کو اس کی روایت پر اعتراض ہے۔ کتاب الضعفاء للبخاری صفحہ ۸۳ امام ابن حبان فرماتے ہیں

لا یحتج بہ یتفرد عن علی — اس کی حدیث حجت نہیں۔ یہ حضرت علیؓ

لا یشبہ حدیث الثقات — سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو ثقہ اور معتبر راوی نقل نہیں کرتے۔

میزان ج ۱ صفحہ ۲۹۱

امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں کہ محدثین اس کی حدیث کو حجت نہیں سمجھتے علی بن المدینی فرماتے ہیں حنش جس سے حکم یہ روایت نقل کر رہے ہیں ہم تو اسے پہچانتے بھی نہیں کہ کون ہے۔ الجرح و التعدیل ج ۳ صفحہ ۲۹۱

حافظ ابن حجر نے اگرچہ اسے سچا مانا ہے لیکن ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں

لہ اوھام و یرسل — اسے وہم ہوتا تھا۔ اور مرسل روایت نقل کرتا تھا۔

تقریب صفحہ ۹۸

جس سے مزید یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ سے کوئی روایت بھی نہ سنی ہو۔ اور درمیان سے راوی گرا دیا ہو۔ لیکن اگر اس نے روایات بھی سنی

ہیں تب بھی وہ محدثین کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے۔

ابنِ عدی اور امام ذہبی نے اس کی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

حنش سے اس روایت کو نقل کرنے والے حکم بن عتیبہ ہیں بے شک ثقہ ہیں، لیکن تدلیس کے مرض میں مبتلا تھے یعنی درمیان میں سند سے راوی گرا دیتے تھے اور مدلس جب کوئی روایت عن کے ذریعے نقل کرتا ہے تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی اور یہ روایت بھی عن کے ذریعے مروی ہے۔

اس طرح حکم کی ثقاہت سے اس روایت کو فائدہ کے بجائے مزید نقصان پہنچا ہے یعنی اس روایت میں ایک عیب کا اور اضافہ ہوگیا۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک کسی روایت کے ناقابلِ قبول ہونے کے لئے اتنا سا عیب بھی کافی ہے لیکن یہ تو مجسمۂ عیوب ہے۔

حکم سے اس روایت کو نقل کرنے والا ابو الحسناء ہے۔ ابو الحسناء کنیت ہے؟ اس کا کیا نام ہے؟ کہاں کا باشندہ ہے؟ باپ کا کیا نام ہے؟ کب پیدا ہوا؟ کب مرا؟ اور کس کس سے تعلیم حاصل کی یہ سب کچھ آج تک پردۂ راز میں ہے بس صرف اتنا معلوم ہے کہ ابوداؤد اور ترمذی نے۔ یہ رام کہانی اس کے ذریعہ نقل کی ہے حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں

قیل اسمه الحسن وقیل	کہا جاتا ہے اس کا نام حسن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا
الحسین مجھول	ہے کہ حسین نام ہے۔ مجہول ہے۔

تقریب ص[۴۰]

ہماری نظر میں تو اس کا صرف ایک ہی حل ممکن ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارے علماء عالمِ برزخ میں پہنچ کر ہر اس فرد کو جس کا نام حسن یا حسین ہو پکڑ کر دریافت کریں کہ بھیا تیری کنیت تو ابو الحسناء نہیں اگر ایسا ہے تو کم از کم اپنا اتا پتہ بتا دے

تیرے نام کچھ ایصال کیا جاسکے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایصال اور مرغن غذاؤں کی خاطر وہاں ابوالحسناء وبن کریب سے نمودار ہوجائیں بہرصورت یہ ہماری دردسری نہیں۔ اس کا حل مولوی سرفراز صاحب تلاش کریں۔

امام ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ابوالحسناء حدث عنه لا یعرف له عن الحکم بن عتیبة۔	اس ابوالحسناء سے شریک روایات نقل کرتا ہے اور یہ خود حکم بن عقبہ سے لیکن پہچانا نہیں جاتا۔

میزان ج ۴ ص۵۱۵

ہمارے علماء نے تو یہ مقولہ مشہور کر رکھا ہے کہ جس روایت پر ابوداؤد سکوت اختیار کریں وہ روایت قابل اعتبار ہے لیکن غالباً بخاری، ابوحاتم ابن حبان، ابن عدی، ذہبی اور ابن حجر وغیرہ کو اس مقولہ کا علم نہ تھا ورنہ یہ حضرات نہ تو حنش پر کلام کرتے اور نہ ابوالحسناء کو مجہول قرار دیتے

اس نوسی پرندے سے اس روایت کو نقل کرنے والا شریک ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس روایت کے تمام راوی کوفی ہیں۔ اور اس سند کے علاوہ اس روایت کی کوئی اور سند نہیں۔ یعنی یہ روایت کوفہ کی بھٹی میں تیار ہوئی ہے۔

یہ جناب شریک کون ہیں۔ ان سے تمام محدثین واقف ہیں بلکہ بہت سوں نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ ہے قبیلہ نخع سے تعلق رکھتے تھے۔ کوفہ کے باشندے ہیں اور واسطہ کے قاضی تھے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

صدوق یخطئ کثیر التغیر حفظه منذ ولی القضاء بالکوفة۔	سچا ہے غلطیاں بہت کرتا ہے۔ جب سے کوفہ کا قاضی بنایا گیا تو حافظہ خراب ہوگیا تھا۔

یہ بھی ایک عجب معمہ ہے کہ جب تک واسط کے قاضی رہے ۔اس وقت تک ان کے حافظہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ لیکن کوفہ کے قاضی بنتے ہی ان کا حافظہ خراب ہو گیا اور وہ غلطیاں کرنے لگے کوفہ کی آب و ہوا ہی ایسی ہے کہ ہر ایک کا حافظہ خراب کر دیتی ہے ۔اس خرابی حافظہ کے پردے میں کیا راز مخفی ہے ؟ کوئی نہ کوئی تو اس راز سے بھی ضرور واقف ہوگا ۔ آیئے ہم اور آپ مل کر کسی راز داں سے اس کی ٹوہ لگائیں کہ کوفہ کی ہوا میں کونسا راز مخفی ہے ؟ یا جناب شریک خرابی حافظہ کے بہانے کوئی شکار کھیلنا چاہتے ہیں ۔؟ ۔آیئے اور امام ابن عدی اور امام ذہبی کی زبانی کچھ اس کا حال سن لیجئے ۔

امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید القطان اسے انتہائی ضعیف قرار دیتے تھے ۔ ابن المثنیٰ کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان اور عبد الرحمان بن مہدی کو کبھی اس کی روایت بیان کرتے نہیں دیکھا

عبد الجبار بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان سے عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آخر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا ۔ انہوں نے فرمایا اس کا تو ہمیشہ ہی سے حافظہ خراب تھا ۔ (لفظ مخلط کا اصل ترجمہ ہے پاگل) ۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے شریک بن عبد اللہ کا دادا سنان بن انس ہے جو حضرت حسین کا قاتل ہے (یہ سنان بن انس وہ شخص ہے جو حضرت حسین کو گھر لینے گیا تھا ،) ۔

اللہ تعالیٰ امام یحییٰ بن المعین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قاتل حسین کا معمہ حل کر دیا ۔ ہمیں تو آج تک یہی دھوکہ دیا جاتا رہا کہ ان کے قاتل یہ چند افراد ہیں ۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ، عبید اللہ بن زیاد ۔ عمرو بن سعد اور ذی الجوشن ۔

امام عبد اللہ بن المبارک جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید ہیں ۔ فرماتے ہیں شریک کی حدیث کچھ نہیں ۔ جوزجانی کہتے ہیں اس کا حافظہ خراب تھا ۔ حدیث میں اسے اضطراب

ہوتا تھا۔ اور راہِ حق سے ہٹا ہوا تھا۔

خود شریک کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میرے باپ کے پاس دس ہزار احادیث تو وہ تھیں جو انہوں نے جابر جعفی سے سنی تھیں۔ اور دس ہزار غریب روایات تھیں۔ ج۔۲ ص۲۷

جابر جعفی مشہور رافضی اور کذاب ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ بادلوں میں حضرت علیؓ گھومتے ہیں۔ یہ کڑک ان کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز اور یہ بجلی ان کے کوڑے کی مار کا شاخسانہ ہے معلوم نہیں ایران کے سائنس دان اب کیا کہتے ہیں۔

دار قطنی کہتے ہیں جس روایت کو نقل کرنے میں شریک تنہا ہو وہ روایت قوی نہیں۔ اسی لئے امام ترمذی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے۔

هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث شريك	یہ حدیث غریب ہے۔ اسے شریک کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے ابوزرعہ رازی سے اس شریک کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا بہت سی احادیث روایت کرتا ہے۔ وہم کا مادہ ہے۔ غلطیاں کرتا ہے۔ جس پر امام نفلک الصائغ نے جواب دیا کہ اس نے تو واسط میں باطل احادیث بیان کی تھیں۔ ابوزرعہ بولے باطل نہ کہو۔

متعدد ائمہ نے جو اس کی روایات کو قبول کیا اور اس پر صرف غلطی کا الزام قائم کر دیا۔ ان حضرات نے اس کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے فیصلہ دیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تقیہ کا ماہر تھا۔ ہم ذیل میں امام ذہبی کی زبانی وہ واقعات پیش کرتے ہیں جن سے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

ابراہیم بن اعین کا بیان ہے کہ میں نے شریک سے دریافت کیا کہ تمہاری

اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے۔ جو یہ کہے کہ میں کسی صحابی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا شخص احمق ہے۔ کیا ابوبکرؓ و عمرؓ کو فضیلت نہیں دی گئی۔

یہ شریک کہا کرتا تھا۔ کہ علیؓ کو ابوبکرؓ پر وہی شخص فضیلت دے سکتا ہے جو ذلیل و رسوا ہو۔

اب اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ابو داؤد الرہاوی کا بیان ہے کہ انہوں نے خود شریک کو یہ کہتے سنا ہے کہ علی خیر البشر ہیں اور جو شخص اس سے انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بشریت میں انبیاء کرام بھی داخل ہیں۔ میزان ج ۲ ص ۲۷۱

اس شریک نے حضرت بریدہؓ کی جانب یہ روایت بھی منسوب کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے اور میرے وصی اور وارث علیؓ ہیں۔

علی بن قادم کا بیان ہے کہ عتاب ایک دوسرے شخص کے ساتھ شریک کے پاس گئے۔ اور اس سے سوال کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تو حضرت علیؓ کے معاملہ میں شکوک ہے۔ وہ بولا اے احمق یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری دلی تمنا تو یہ تھی کہ میں علیؓ کے ساتھ ہوتا اور ان لوگوں کے (صحابہ) کے خون سے اپنی تلوار کو رنگین کرتا۔

امام حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میں نے شریک کو کہتے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنالیا۔ کاش ان لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ان میں ایک شخص ابوبکرؓ سے بھی افضل موجود ہے۔ سب سے پھر لیتے۔ پھر ابوبکرؓ نے عمرؓ کو خلیفہ بنادیا۔ لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا تو انھوں نے چھ آدمیوں پر فیصلہ چھوڑ دیا۔ اگر وہ یہ جانتے کہ ان میں ایک شخص سب سے

افضل ہے تو یہ سب ہمارے پاس جمع ہو جاتے۔ میزان ج ۲ ص ۲۷۲

یہ قول جب عبداللہ بن ادریس نے سنا تو بولے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے دل کی بات کہدی، اللہ کی قسم وہ شیعہ ہے۔ اللہ کی قسم شریک شیعہ ہے ایک بار ایک جماعت نے اس کے سامنے امیر معاویہ کا تذکرہ کیا کہ وہ بہت بردبار تھے۔ وہ بولا کہ وہ شخص بردبار نہیں ہو سکتا جس نے علیؓ سے قتال کیا ہو۔

امام احمد فرماتے ہیں شریک سے زیادہ بہتر تو حسن بن صالح ہے۔ اس شریک کو تو یہ بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس قسم کی حدیث بیان کر رہا ہے۔ یعنی گپ اڑانے میں ماہر ہے۔

یہ شریک ۹۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۷ھ میں اسکا انتقال ہوا۔

حاصل کلام یہ کہ یہ شریک رافضی ہے۔ اور اس روایت کے الفاظ خود یہ ثابت کر رہے ہیں کہ شیعہ یہ روایت بیان کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ حضور کے وصی تھے۔ اس لئے اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے کہلوائے گئے کہ مجھے حضور نے وصیت کی حالانکہ اصول حدیث کی رو سے یہ روایت رَدّی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے قابل ہے کیوں کہ اس کا ایک راوی رافضی۔ ایک نامعتبر اور ایک مجہول ہے اس طرح یہ روایت سراپا عیوب ہے

یہ راوی تو وہ ہیں جو ابو داؤد اور ترمذی دونوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ سب کوفی ہیں۔ لیکن اس شریک سے دو شخص نقل کر رہے ہیں ایک عثمانؓ بن ابی شیبہ جو اس روایت میں ابو داؤد کے شیخ ہیں۔ دوسرے محمد بن عبد المحاربی جو ترمذی کے اس روایت میں استاد ہیں۔ اتفاق سے یہ دونوں بھی کوفی ہیں۔ گویا ڈھائی سو سال تک تو یہ روایت کوفہ کے خاص خاص گھروں میں چھپی رہی

کیوں کہ ابوداؤد ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

عثمان بن ابی شیبہ اس کا نسب نامہ یہ ہے۔ عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی ابوالحسن اس کی کنیت ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

ثقہ حافظ شہیر لہ اوہام وقیل کان لا یحفظ القرآن۔

ثقہ ہیں مشہور حافظ الحدیث ہیں انہیں وہم ہوتا تھا۔ اور کہا جاتا تھا یہ قرآن یاد نہ رکھ سکتے تھے۔

۲۳۹ھ میں تراسی سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے بھائی ہیں جن کی حدیث میں "المصنف" مشہور ہے تقریباً تمام اصحاب صحاح نے ان سے روایات لی ہیں۔ اب ان کا تفصیلی حال امام ذہبی کی زبانی ملاحظہ کیجئے۔

عبداللہ بن احمد کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل کے سامنے عثمان بن ابی شیبہ کی بیان کردہ یہ روایت پیش کی کہ تمام دنیا کے افراد اپنے باپوں کی جانب منسوب ہوتے ہیں مگر فاطمہؓ کی اولاد میری جانب منسوب ہوگی۔ میں ان کا عصبہ ہوں

امام احمد نے اس قسم کی روایات کو انتہائی منکر قرار دیا اور فرمایا یہ موضوع ہیں عثمان سے بہتر تو ان کے بھائی ابوبکر ہیں یہ تو اپنی برائی میں اپنی غلطی بھی قبول نہیں کرتا میزان

ازدی کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ عثمان ایسی روایات پیش کرتا ہے جو اور کوئی بیان نہیں کرتا

امام ذہبی فرماتے ہیں یہ قرآن قطعاً یاد نہ رکھتا تھا۔ حسن بن حباب کا بیان ہے کہ عثمان بن ابی شیبہ۔

الم تر كيف فعل ربك

کو الف لام، میم پڑھا کرتا تھا۔ حالانکہ اسے پوری سورۂ فیل یاد تھی۔ یہ ابتدائی لڑ

ایسا دشوار نہیں جو یاد نہ ہوسکے۔ یہ سراسر تحریف فی القرآن ہے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ کسی محدث سے قرآن میں اتنی تبدیلی مذکور نہیں ہے جتنی عثمان بن ابی شیبہ سے حتیٰ کہ اسماعیل بن محمد التستری کا بیان ہے کہ میں نے عثمان بن ابی شیبہ کو یہ پڑھتے سنا۔

فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ

حالانکہ آخری لفظ میں ظ نہیں ط ہے۔

قرآن میں سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع میں

مُكَلِّبِينَ میں جوارح کو لفظ خوارج پڑھتا تھا۔ اور اس آیت

بَطَشْتُم جَبَّارِينَ

کو خَبَّارِين پڑھا کرتا تھا۔

محمد بن عبداللہ بن المنادی کا بیان ہے کہ ایک روز عثمان نے ہم سے سوال کیا کہ ن والقلم کونسی صورت میں ہے۔

مطین کا قول ہے کہ ایک روز اس نے

فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ

کو

بِسَنُّورٍ لَّهُ نَابٌ پڑھا۔

لوگوں نے اسے غلطی پر ٹوکا

بولا یہ حمزہ کی قراءت میں ہوگا۔ اور حمزہ کی قرات ہمارے نزدیک بدعت ہے۔ میزان ج ۲ ص ۳۶

ابراہیم بن عبداللہ المخصاف کہتے ہیں کہ ایک بار عثمان بن ابی شیبہ نے

جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ

کی تفسیر شروع کی اور اس آیت کو اس طرح پڑھا۔

جَعَلَ السَّفِينَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ

لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ سقایہ ہے، کہنے لگا میں اور میرے بھائی ابوبکر عاصم کی قرأت نہیں پڑھتے۔

اسی عثمان نے یہ روایت بیان کی تھی کہ حضور نے ارشاد فرمایا سب سے بدترین قبائل بنوامیہ، بنوحنیفہ اور ثقیف ہیں۔ یہ روایت بھی اسی کی وضع کردہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس آیت

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ

قَوْمٍ هَادٍ

کی تفسیر بیان کی کہ منذر تو رسول ہیں اور ہادی بنی ہاشم کا ایک شخص ہے (یعنی میں) اس نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی جانب یہ روایت بھی منسوب کی۔ کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں گے اور ان میں ایک بھی مومن نہ ہوگا۔ میزان ج ۳۔ ص ۳۸ ج ۳۹ بے شک مومن مسجد میں کیوں آئے گا۔ وہ تو امام باڑے جائے گا۔ مسجد میں جاتا تو بغیر تقیہ کے ممکن بھی نہیں جس طرح عثمان بن ابی شیبہ نے تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر قرآن میں تحریف کی ہے۔ اور جس طرح شریک نے تقیہ سے کام لیا۔

یہ اس روایت کی سند کا حال ہے اور ان راویوں کے علاوہ کوئی اسے روایت نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں اس کی حیثیت "ڈھول کے پول" سے زیادہ نہیں ہم نے تو اس پر اتنی تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن امام ابن عدی اور امام ذہبی نے صرف حنش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے حنش کی منکرات میں داخل کیا۔ ان کے نزدیک اس روایت کے مردود ہونے کے لئے اتنا سا عیب بھی کافی تھا۔ لیکن چوں کہ اب ہمارے ذہنوں میں باطل اس طرح رچ بس گیا ہے کہ معمولی سی جرح سے اس کا ذہن سے نکلنا

دشوار ہے۔ اسی لئے اس پر تفصیلی بحث کی گئی۔

اس موقعہ پر قارئین کی معلومات کے لئے یہ عرض کردیں تو مناسب ہوگا کہ ۱۹۵۱ء میں اس موضوع پر علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم اور علامہ تمنا عمادی میں تحریری مباحثہ ہوا تھا جس میں علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم کو لاجواب ہونا پڑا یہ مباحثہ فل سائز کے اسی ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسکی فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے جو صاحب خیر اسے طبع کرانا چاہیں تو مجھ سے رجوع کریں۔

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ حضرت علیؓ ۳۵ھ تک مدینہ منورہ میں رہے یعنی حضور کی وفات کے بعد پچیس ۲۵ سالہ دور میں انھوں نے حضور کی جانب سے قربانی کی تھی یا نہیں؟ اگر مدینہ میں بھی وہ پچیس سال تک اس پر عمل کرتے رہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مدینہ کے کسی فرد نے ان کا یہ عمل نقل نہیں کیا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ چھپا کر یہ فعل انجام دیتے تھے تو ہماری عرض یہ ہے کہ اگر یہ کارِ ثواب تھا تو اس کے مخفی رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور اگر یہ کام باطل اور خلافِ شرع تھا تو کیا کوفہ میں صرف سبائیوں کے سامنے اس کا اظہار کیا جاسکتا تھا؟ اور یہ صورت حال یہ ثابت کر رہی ہے کہ حضرت علی تقیہ میں ماہر تھے۔ ہم حضرت علیؓ پر یہ الزام لگانے کے لئے قطعاً تیار نہیں لہٰذا اس کا حل یہی ہے کہ ان تقیہ بازوں کی اس روایت کو مردود تسلیم کیا جائے۔

اگر فی الواقع اس قسم کی کوئی وصیت بھی فرماتے تو صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کو چاہیئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے بجائے کسی اور کو وصیت کرتے۔ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی زندگی حضور کی حیات میں نہایت فقر و فاقہ میں گزری ہے۔ اور ان کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ ان پر مزید مالی بار ڈالا جاتا یہ تو مرے پر سو دُرّے والی مثل ہوگی، حضور

کو اگر یہ وصیت کرنی تھی تو اپنے دامادوں میں سے حضرت عثمان غنی اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرماتے۔ کیوں کہ ان حضرات کے لیئے اس پر عمل کرنا کوئی دشوار نہ تھا۔ یا اپنے چچا حضرت عباس یا ان کی اولاد کو وصیت کرتے لیکن ان صورتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کیسے "وصیؓ" بنتے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ وصیؓ بنتے تو سبائیوں کا دین کیسے رائج ہوتا۔ اور پاک و ہند کے علماء کیسے ان کا شکار بنتے۔؟ لہٰذا یہ سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علماء کو عقل سلیم عطا فرمائے۔

پھر حضرت علیؓ نے نہ تو اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی اور نہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ تم بھی حضور کی جانب سے قربانی کیا کرو جو ان کا ایک فریضہ تھا۔ اور اگر یہ مخصوص وصیت تھی تو اس پر دوسروں کے لیئے کس دلیل سے عمل جائز ہوگا۔ اور اگر یہ حکم عام تھا تو حضرت علیؓ نے اس کی اشاعت میں کیوں کوتاہی اختیار کی۔ کہ بجز حنش کے کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا اور اس نے بھی ایک مجہول انسان کو اسکا اتا پتہ بتایا۔ لہٰذا اس کا حل یہی ہے کہ اس روایت کو ان جھوٹوں میں شمار کیا جائے جو قاتلین عثمان نے حضرت علیؓ کے نام سے وضع کیئے تھے۔ اور امام محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ کے اس قول کو پیش نظر رکھا جائے۔

ان عامۃ ما یروی عن علی	حضرت علیؓ سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ
باطل — میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۴۴۶	عام طور پر باطل ہیں۔

اور امام مغیرہ کے اس اصول کو پیش نظر رکھیئے۔

لم یکن تصدق علی علی فی الحدیث	حضرت علیؓ کی کسی حدیث کو اس وقت تک سچا
عنہ الا من اصحاب عبد اللہ	نہیں مانا جا سکتا۔ جب تک عبد اللہ بن مسعود
بن مسعود۔ مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱	کے شاگردان سے وہ حدیث روایت نہ کریں

اور حنش جو اس روایت کا اولین راوی ہے وہ ابن مسعود کا شاگرد نہیں۔ بلکہ قاتلین

عثمانؓ کا ایک ساتھی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ایک کھلا جھوٹ ہے۔

آخر میں مولوی سرفراز صاحب سے ہم مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں رجال کی چھان بین کی ہے اسی طرح اگر آپ اس قسم کے مسائل میں خالی الذہن ہو کر رجال کی چھان بین فرمائیں گے تو انشاء اللہ آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔

ہمارے قلم سے ان کی شان میں جو جو گستاخیاں ہوئی ہیں۔ ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان یعنی اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ کی خاطر بغض رکھنا ایمان میں داخل ہے۔ کے تحت ہمارے قلم سے بے ساختہ نکل گیا ہے ورنہ ذاتی طور پر ہم تو انھیں کبھی اپنے اکابر میں داخل سمجھتے ہیں اور چھوٹوں کی ہر گستاخی پر پکڑ نہیں کی جاتی اگر مولوی صاحب موصوف اپنے پوسٹ کارڈ میں الزامی رنگ اختیار نہ فرماتے تو ہم بھی جذبات میں قطعاً نہ بہتے۔ لیکن اس صورت میں یہ کتاب کیسے وجود میں آتی لہٰذا ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ان کے ایک کارڈ نے اس کتاب کو جنم دے دیا۔ فللہ الحمد

چند بازاری روایات

ہمارے علماء ایصالِ ثواب کے ثبوت میں سیوطی کی "شرح الصدور" اور متاخرین کی کتابوں سے کچھ ایسی روایات بھی پیش کرتے ہیں، جن کا متقدمین کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ روایات قصہ گوؤں نے گرمئ محفل کے لئے وضع کی تھیں۔ متاخرین کی اکثر کتابیں اس قسم کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور سیوطی کا تمام دارومدار اسی قسم کی کتابوں پر ہے۔ وہ اسی قسم کی لغو باتوں کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی کتاب "عجالۂ نافعہ" اور "بستان المحدثین" میں اس پر بحث کی ہے۔

جہاں سیوطی کو فرضی کہانیاں جمع کرنے کا شوق ہے وہاں وہ تضاد کا بھی شکار ہیں۔ اکثر وہ روایات جو اس قسم کی کتابوں میں بطور استدلال پیش کرتے ہیں، انہی روایات کو وہ اپنی "اللآلی المصنوعہ" میں موضوع قرار دیتے ہیں۔ انھیں صرف کثرت تحریر کا شوق تھا۔ ہم ان کی شرح الصدور میں پیش کردہ روایات میں سے چند بطور نمونہ انھی کی کتاب "اللآلی المصنوعہ" سے نقل کر کے سیوطی نے جو خود ان پر بحث کی ہے وہ پیش کئے دیتے ہیں۔

من زار قبر والديه او احدهما فقرأ يٰسين غفر له۔

جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی کی قبر کی زیارت کی اور سورۂ یٰسین تلاوت کی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ ج۲ ص۴۴۰)

سیوطی کہتے ہیں کہ ابن عدی کا قول ہے کہ یہ روایت باطل ہے۔ اس لئے کہ اس کے ایک راوی عمرو بن زیاد پر احادیث وضع کرنے کا الزام تھا۔

امام ابن جوزی ابن عدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔

قال ابو احمد بن عدي هذا بهذا الاسناد باطل ليس له اصل وكان عمرو يتهم بالوضع ويحدث بالاباطيل ويسرق الحديث وقال الدارقطني كان يضع الحديث۔

ابو احمد بن عدی کہتے اس سند سے یہ روایت باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور عمرو پر وضع حدیث اور باطل روایات بیان کرنے کا الزام ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

(موضوعات ابن جوزی ج۳ ص۲۳۹)

پھر سیوطی نے طبرانی کے حوالہ سے بطور شاہد ایک اور روایت نقل کی ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔

من زار قبر والديه او احدهما كل جمعة غفر له وكتب برا۔

جو اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کرے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور اس کا نام نیک لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔ (اللآلی ج۲ ص۴۴۰)

پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ اس کے دو راوی یحیٰی بن العلاء اور محمد بن النعمان مجہول ہیں اور ایک راوی ابوامیہ عبدالکریم ضعیف ہے۔

سیوطی نے ایک اور روایت ابن عمر کے ذریعہ ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

من زار قبر ابویه او احدهما او عمته	جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی
وخالته او احد من اقربائه	ایک کی یا پھوپھی یا خالہ یا کسی قریبی رشتہ دار
کانت له حجة مبرورة	کی زیارت کی تو اس کے لئے ایک مقبول حج
ومن کان زائرا لهم زارت	کا اجر اور جوان عزیزوں کی قبر کی زیارت کریگا
الملائکة قبره	تو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کریں گے۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ ابن حبان کا قول ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں اسکا ایک راوی ابومقاتل حفص بن سلیم منکر روایات نقل کرتا ہے۔ اللآلی ج ۲ ص ۴۴۰۔ لیکن ان تینوں روایات سے بھی ایصالِ ثواب قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان تینوں میں زیارت کرنے والے کی مغفرت کا ذکر ہے نہ کہ مرنے والے کی مغفرت کا۔

اسی قسم کی ایک اور روایت ایصال ثواب کے سلسلہ میں بایں الفاظ پیش کی جاتی ہے۔

من مر بالمقابر فقرء	جو قبرستان سے گزرے اور اکیس
الاخلاص احدی وعشرین	بار سورۃ اخلاص پڑھ کر مردوں
مرة ثم وهب اجره	کو اس کا ثواب بخشے تو اسے تمام
للاموات اعطی من	مردوں کے برابر اجر ملے گا۔
الاجر بعدد الاموات	

علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی فرماتے ہیں یہ روایت موضوع ہے اور امام احمد کے صاحبزادے، عبداللہ کی جانب جو نسخہ منسوب ہے اس میں یہ روایت پائی جاتی ہے۔ تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۹

لیکن اس روایت سے ایصال ثواب تو شاید ہی ثابت ہو سکے۔ لیکن وضع کرنے والے

نے قبروں کا چکر لگوانے کے لئے تمام مردوں کے برابر اجر کے وعدے کا لالچ ضرور پیدا کر دیا ہے۔ کیا اس تعداد میں تمام روئے زمین کے مردے داخل ہیں یا یہ روایت مخصوص ہے؟ کیا اس میں غیر مسلم بھی داخل ہیں۔؟ ان باتوں کا جواب کوئی قبر کا پجاری، کشف قبر کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو صرف عالم الغیب اللہ کی ذات ہے۔ اور ہم تو سرے سے ان لغویات سے مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک التماس

قارئین کرام سے یہ بھی ہے کہ اگر وہ اس بات سے اتفاق فرمائیں کہ قرآن حکیم کے حوالوں کے ذریعے جو تحقیق پیش خدمت کی گئی ہے وہ معقول اور ناقابل تردید ہے تو از راہِ کرم ہماری اس دینی کاوش کو اپنے رشتہ دار عزیز و اقارب، دوست احباب اور حلقہ ملاقات میں متعارف کروا کر اس دینی کارِ خیر میں شمولیت فرمائیں، تو یہ ادارہ کی بہت بڑی اعانت تصور ہوگی۔ جس کے لئے ادارہ شکر گزار ہوگا۔

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ

قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب

علمائے دیوبند کی نظر میں

حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب "اصلاح الرسوم" میں تحریر فرماتے ہیں

اکثر عوام کی عادت ہے کہ بہت سے طعام میں سے تھوڑا سا کھانا کسی طباق یا خوان میں لے کر اسکو روبرو رکھ کر فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ علاوہ مفاسد مذکورہ کے۔ یہ امر قابل استفسار ہے کہ جتنا کھانا تم نے پکایا ہے۔ آیا اس کا ثواب بخشنا منظور ہے یا صرف طباق ہی کا۔ تو کوئی نہ کہے گا کہ صرف اس طباق کا ثواب بخشنا منظور ہے۔ اور عقل اور رتبادلے بھی یہ عمل نہیں ہوتا پس ضرور کہا جاوے گا کہ تمام کھانے کا ثواب بخشنا منظور ہے۔

تو اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آیا کھانے کا ثواب پہنچانے کے لئے کھانے کا روبرو ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو صرف ایک طباق رکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اور اس سے تمہارے قاعدے کے موافق صرف اس طباق کا ثواب پہنچنا چاہیئے۔ باقی تمام کھانا ضائع ہو گیا۔ اور اگر یوں کہو کہ اس چیز کا روبرو ہونا ضروری نہیں صرف نیت کافی ہے۔ اور اسی بنا پر تمام کا ثواب پہنچ سکتا ہے تو پھر اس طباق کے رکھنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ اس کی بھی نیت کافی تھی۔ کیا توبہ توبہ حق تعالی کو نمونہ دکھلا ہے کہ دیکھئے اس قسم کا کھانا دیگ میں ہے۔ اس کا ثواب بخشدیجئے۔

۱۔ غرض کہ اس حرکت کی کوئی معقول وجہ نہیں نکلتی محض رواج کی پابندی ہے۔ اور بس پھر پابندی بھی کیسی کہ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ بدوں اس ہیئت خاصہ کے ثواب ہی نہ پہنچے گا۔

۲ — ایک امر قابلِ دریافت یہ ہے کہ جس چیز کا ثواب بخشنا منظور ہو اگر اس کا روبرو رکھنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ طعام و شیرینی کو رکھا جاتا ہے اور اگر روپیہ، کپڑا یا غلہ وغیرہ ایصالِ ثواب کے لئے دیا جاوے تو اس میں اس طریق سے فاتحہ کیوں نہیں پڑھی جاتی اور اگر روبرو رکھنا ضروری نہیں تو اُس طعام و شیرینی ہی میں یہ تکلف کیوں کیا جاتا ہے۔ اور اگر طعام وغیرہ میں کچھ فرق ہے تو دلیلِ شرعی سے اس کو بیان کرنا چاہیئے۔ اور قیامت تک بھی یہ ممکن نہیں ہے۔

۳ — ایک عادت رواج یہ ہے کہ کھانا کھلانے اور دینے کے قبل بطریق متعارف ثواب بخشتے ہیں سو اس میں دو امر قابلِ تحقیق ہیں۔ ایک یہ کہ ثواب پہنچانے کی حقیقت کیا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی نیک کام کیا اور اس پر اس کو کچھ ثواب ملنے کی توقع ہوئی۔ جو کچھ اس کو ثواب ملا اُس نے اپنی طرف سے دوسرے کو دے دیا۔ دوسرا امر قابلِ تحقیق یہ ہے کہ ثواب کس چیز کا ملتا ہے آیا نفسِ طعام کا یا اس کے کھلانے یا دینے کا۔ تو ظاہر ہے کہ خود کھانے کی ذات تو کوئی ثواب کی چیز نہیں جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "کہ ہرگز نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور اس کا خون لیکن تمہارا تقویٰ وہاں پہنچتا ہے" اس سے صاف معلوم ہوا کہ عین طعام نہیں پہنچتا۔ بلکہ عمل کا ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود طعام کی ذات کا ثواب نہیں ہوا۔ بلکہ کھلانے پلانے اور دینے کا ہوا۔ کیوں کہ وہ عمل ہے جب یہ امر دونوں تحقیق ہو چکے تو اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جس وقت کھانا ایک کر تیار ہوا ہے اور ابھی نہ کسی کو دیا گیا ہے۔ اور نہ کھلایا گیا۔ آیا اس کا ثواب ملا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ملا ہے تو یہ مردے کو کیا چیز پہنچاتا ہے۔ ابھی خود تو کچھ لے لے پھر دوسرے کو دے۔ اور اگر اس کو ثواب ملا تو کس چیز کا ملا ہے۔ کوئی عمل تو ابھی پایا ہی نہیں گیا۔ پھر کاہے کا ثواب بخشتا ہے۔

غرض یہ حرکت بھی بے معنی ہے۔ بلکہ بعض عوام کے طرزِ عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ذاتِ طعام کو موجب ثواب سمجھتے ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض نذر و نیاز میں آپ ہی کھا پی لیتے ہیں یا اغنیاؤ احباب کو کھلاتے ہیں جن کے دینے سے کوئی شخص بھی موجب ثواب ہرگز نہیں جان سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ دینے کھلانے کو موجب ثواب نہیں جانتے ورنہ ایسے لوگوں کو دیا کرتے جن کے دینے کو ثواب جانتے۔ بلکہ خود ذاتِ طعام یا شیرینی میں ثواب سمجھتے ہیں۔ تو یہ خود ایک عقیدۂ فاسد ہے۔ اور قرآن کے خلاف ہے۔ جس سے توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ ہم طعام کو موجب ثواب نہیں سمجھتے۔ مگر جب ہم نے نیت طعام کی کرلی تو نیت بھی عمل ہے۔ اس لئے ایصالِ ثواب بے معنی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ نیت عمل ہے۔ مگر نیت کا ثواب بخشنا چاہتے ہو، یا کھلانے اور دینے کا کیوں کہ نیت کا ثواب اور ہے، طعام کا ثواب اور ہے۔ پھر یہ کہ نیت تو قبل کھانا پکانے کے بھی ہوگئی تھی۔ اس وقت کیوں نہیں بخشدیا کرتے۔ غرض اس عادت کی بھی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ محض رواج کی پابندی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اصلاح الرسوم از ص۱۴۴ تا ص۱۴۶

حکیم الامت ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اکثر تیسرے روز مردہ کے مکان پر یا اس کے محلہ کی مسجد میں برادری کے لوگ اور مساکین وغیرہ جمع ہو کر قرآنِ مجید اور کلمۂ طیب ختم کر کے مردے کو بخشتے ہیں، اور کہیں کھانا۔ اور کہیں نقد اور کہیں نخود بریاں پڑھنے والوں کو تقسیم ہوتے ہیں۔ اور جلسہ برخاست ہونے کے قبل جس جس کا دل چاہے کچھ متفرق رکوع کچھ متعین سورتیں بآوازِ بلند پڑھ کر جس کو پنج آیت کہتے ہیں دعا کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ یہ عمل بظاہر تو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی اندرونی حالت دیکھنے کے قابل ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ دوست آشنا اور برادری کے لوگ تو محض رفع شکایت کی غرض سے آتے ہیں۔ ایصالِ ثواب ہرگز مقصود نہیں حتیٰ کہ کوئی عزیز اپنے گھر بیٹھ کر پورا قرآن ختم کر کے بخشدے تو اہلِ میت ہرگز راضی نہ

ہوں گے۔ اور شکایت ان کی رفع نہ ہوگی۔ اور یہاں حاضر ہوکر یونہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اور کوئی بہانہ حیلہ کرکے چلا جاوے تو شکایت سے بچ جاوے گا۔ اور بار بار بیان ہو چکا ہے کہ جو عمل ایسے فاسد اغراض سے ہوتا ہے۔ اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا۔ جب اس کو ثواب نہ ملا تو مردے کو کیا دیگا۔

رہ گئے مساکین ان کو اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہاں جاکر صرف پڑھنا پڑے گا، ملے دلاوے گا کچھ نہیں ہرگز ایک بھی نہ آئے۔ سو ان کا آنا محض اس توقع سے ہوتا ہے کہ کچھ ملے گا جب ان کو عوض دنیوی مقصود ہوگیا تو ان کا پڑھنا بھی خالصاً للہ نہ رہا۔ اس لئے اس کا ثواب بھی نہ ملے گا۔ پھر مردے کو کیا بخشے گا۔ غرض یہ ساری مشقت اور سامان سب رائیگاں ہے۔ بلکہ قرآن خوانی کو جو لوگوں نے ذریعہ جاہ و مال کا بنایا۔ اس کا گناہ سر پر الگ رہا۔ (بالفاظ دیگر یہ ایصال ثواب نہیں بلکہ ایصال عذاب ہے) اور جس طرح قرآن کا عوض لینا جائز نہیں اسی طرح دینا بھی جائز نہیں۔ اس بنا پر یہ نخود طعام تقسیم کرنے والا بھی اس الزام سے بری نہ رہا۔ اور التزام تعین کی کراہت ان سب کے علاوہ ہے۔ اور ان لوگوں پر پھول وغیرہ بھی تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ صاف تشبہ بالکفار ہے۔ اسی طرح پنج آیت میں ہر شخص اپنی قراءت کا اظہار کرتا ہے۔ اور ریاء کا معصیت ہونا ظاہر ہے۔ پھر وہی الزام و تعین کا قصہ اس میں بھی ہے۔ اصلاح الرسوم ص۱۵۸، ص۱۵۹

ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

دستور ہے کہ قبر پر یا گھر پر حفاظ کو بٹھلا کر کہیں دس روز، کہیں چالیس روز، یا کم و بیش قرآن مجید ختم کراتے ہیں۔ پھر ان کو کچھ اسباب کچھ نقد وغیرہ دے دیتے ہیں۔ گو بعض لوگ اس کو کوشش کرکے درست بنانا چاہتے ہیں مگر بات کھلی ہوئی ہے کہ جب مقصود جانبین کا اجرت کا دینا لینا ہے۔ اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ اس لئے یہ فعل ہرگز درست نہیں نہ ایسے قرآن پڑھنے کا ثواب ملے جب پڑھنے والے کو نہ ملا تو مردے کو کیا پہنچے گا۔ اصلاح الرسوم ص۱۴۴

حکیم الامت نے جن خامیوں کی جانب اشارات کیے ہیں۔ وہ حقیقتاً سب جگہ یکساں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ خامیاں بھی نہ پائی جائیں تب بھی اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اس لئے کہ یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام، تابعین اور اسلاف میں قطعاً نہ پایا جاتا تھا۔ اگر اس ایصال کے بغیر ان کی نجات ہوگئی تو دوسروں کی بھی ممکن ہے۔ اور جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون سے ثابت نہ ہو وہ کار خیر نہیں ہوتا۔ بلکہ کار شر ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ سراسر نبی کریم پر اتہام ہے کہ آپ نے کل دین کی تبلیغ نہیں فرمائی۔ بلکہ کتمان دین سے کام لیا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ لازم آئے گا کہ حضور پر دین کی تکمیل نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہم اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ بہر دو صورت میں رسالت پر الزام واقع ہوتا ہے۔ جب کہ قرآن اس کی تردید کر رہا ہے۔

ہم جب احادیث اور تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضور کی متعدد صاحبزادیوں اور متعدد اعزا واقارب کا انتقال ہوا کس کس کی قرآن خوانی ہوئی۔؟ بلکہ اگر قارئین کرام تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں گے تو پوری تاریخ اسلام میں اس قرآن خوانی کا کوئی وجود نظر نہ آئے گا۔ کتب تفاسیر، کتب احادیث، کتب فقہ اور کتب تاریخ اسلام سب اس خود ساختہ" ایصال سے پاک ہیں۔ آخر کیا یہ ایصال صرف پاک و ہند کے لئے نازل ہوا تھا۔؟ حتیٰ کہ ہمارے علمائے دیوبند بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خیر القرون میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ پھر آخر اس کا شانِ نزول کیا ہے! ذرا کچھ تو بتا دیجئے۔

علامہ محمد علی کاندھلوی مہتمم اعلیٰ دار العلوم شہابیہ سیالکوٹ اپنی تفسیر "معالم القرآن" میں سورۂ بقرہ کی آیت لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی تشریح میں رقم طراز ہیں

ہر جان کے لئے وہی ہے۔ جیسی کچھ اس نے کمائی کی ہے اور جس کے لئے اسے جواب دہ ہونا ہے۔ وہ بھی اسی کی کمائی ہے۔ یعنی انسان کو ثواب بھی اسی کام پر ہوتا ہے جو ارادے سے کرے۔ معالم القرآن ج ۳ ص ۴۲۳۔

علامہ مودودی مرحوم آیت مذکورہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

یہ اللہ تعالےٰ کے قانونِ مجازات کا دوسرا قاعدۂ کلیہ ہے۔ ہر آدمی انعام اسی خدمت پر پائے گا جو اس نے خود انجام دی ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کی خدمات پر دوسرا انعام پائے۔ اور اسی طرح ہر شخص اسی قصور میں پکڑا جائے گا۔ جس کا وہ خود مرتکب ہوا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے قصور میں دوسرا پکڑا جائے۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک آدمی نے کسی نیک کام کی بنا رکھی ہو اور دنیا میں ہزاروں سال تک اس کام کے اثرات چلتے رہیں۔ اور یہ سب اس کے کارنامے میں لکھے جائیں۔

اور ایک دوسرے شخص نے کسی برائی کی بنا رکھی ہو۔ اور صدیوں تک دنیا میں اس کا اثر جاری رہے۔ اور وہ اس ظالم اول کے حساب میں درج ہوتا رہے۔ لیکن یہ اچھا یا برا جو بھی پھل ہوگا اسی کی سعی اور اسی کے کسب کا نتیجہ ہوگا۔ بہر حال یہ ممکن نہیں ہے کہ جس بھلائی یا جس برائی میں آدمی کی نیت اور سعی و عمل کا کوئی حصہ نہ ہو۔ سکی جزا یا سزا اسے مل جائے۔ مکافاتِ عمل کوئی قابلِ انتقال چیز نہیں۔ تفہیم القرآن جلد ۱ صـ۲۲۴

علامہ محمد علی کاندھلوی نے بھی تفہیم القرآن کی یہ عبارت بعینہٖ اپنی معالم القرآن میں نقل کی ہے۔ جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مودودی صاحب مرحوم نے جو کلیہ بیان کیا ہے علامہ محمد علی صاحب کو اس سے اتفاق ہے کہ یہ ایک ناممکن سی بات ہے کہ کسی کے عمل کا اجر کسی اور کے نام منتقل کر دیا جائے۔

مولوی اشرف علی تھانوی مرحوم اپنے ترجمۂ قرآن کے فوائد میں آیتِ مذکورہ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

یہاں پر جو ثواب و عقاب کا دارومدار کسب و اکتساب پر رکھا۔ مراد اس سے ثواب و عقاب ابتداءً ہے۔ نہ بواسطۂ تسبب کے (ترجمہ القرآن مولینا تھانوی)

یعنی بانی ہونے کی حیثیت سے تو اجر مل سکتا ہے ورنہ ممکن نہیں۔

لیکن افسوس۔ صد افسوس۔ کہ اللہ تعالےٰ کے اس عطا کردہ قانون کو تسلیم کرنے کے باوجود اور برملا اقرار کرنے کے بعد بھی یہ تمام حضرات عمل کی صورت میں روایات اور بزرگوں کے سہارے اس قاعدۂ کلیہ کے پرخچے اڑاتے نظر آتے ہیں۔ یعنی دعویٰ کچھ اور عمل کچھ اور۔ گویا ان حضرات

کو اللہ تعالیٰ کا یہ بیان کردہ کلیہ تسلیم ہی نہیں۔

علامہ امین احسن اصلاحی صاحب۔ جو فراہی مکتبۂ فکر کے تنہا مردِ میدان سمجھے جاتے ہیں آیت ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

یعنی ان کے سامنے یہ انہی کے ہاتھوں کی کرتوت رکھی جائیں گی۔ جو لیس بھری فصل انہوں نے دنیا میں بوئی، سینچی اور پروان چڑھائی اسی کا حاصل ان کے سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کوئی ظلم و ناانصافی نہیں کرے گا۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ رتی بھر ظلم کا بھی روادار نہیں۔ اسکا قانون اور عدل بے لاگ ہے۔ ہر شخص جو کرے گا۔ وہی بھرلیگا

تدبر القرآن ج

آیت لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی تفسیر میں علامہ امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں۔

اس کو ملے گا جو اس نے کمایا اور وہ بھگتے گا جو اس نے کیا۔

یہ بات چوں کہ اسی بات کا ایک پہلو ہے جو اوپر گذری ہے اس وجہ سے اسی کے ساتھ اس کو جوڑ دیا ہے۔ اس سے الگ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو نفع یا ضرر جو کچھ بھی پہنچے گا۔ اس کے اپنے عمل ہی سے پہنچے گا کسی اور شئے سے نہیں۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ اور جو کچھ کرے گا وہی بھرے گا۔ نہ دوسرے کے نیک اعمال کا کریڈٹ اس کو ملنے والا ہے۔ اور نہ دوسرے کی بدیاں اس کے کھاتے میں پڑنے والی ہیں اور نہ کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھانے والا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس پر ذمہ داری اس کی طاقت اور اس کے اختیار کے پیمانے سے ناپ کر ڈالی ہے۔ اسی وجہ سے ہر شخص کی کامیابی اور ناکامی اس ذمہ داری کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ

تدبر القرآن۔ ج ۱۔

مزید اضافہ

اس کتاب کی کتابت میں ہمارے مہربان کاتب صاحب نے تین سال لگا دیئے لیکن شاید تاخیر منجانب اللہ تعالیٰ واقع ہوئی ہو کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس مختصر مگر مفید اضافے کے استفادہ سے ہم سب محروم رہ جاتے۔ ہم اپنے صوبائی وزیر جناب زبیر اکرم ندیم کے والد بزرگوار عالم دین جناب حکیم اسرار احمد کریوی صاحب کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے رام پور ہندوستان کے عالم دین جناب مولوی محمد صاحب کی کتاب "آیٰتِ مُحکَمٰت" جس میں مسائل تقلید" اور "ایصالِ ثواب" پر قرآنِ مبین کے حوالوں سے روشنی ڈالتے ہوئے مسئلہ ایصالِ ثواب کو باطل قرار دیا گیا ہے، عنایت فرما کر اضافے کا موقعہ فراہم کیا۔ چنانچہ کتاب ہذا کے ذریعے ایصال ثواب سے متعلق علامہ موصوف کی کتاب کے چیدہ چیدہ مختصر حصے پیش خدمت کئے جا رہے ہیں۔ تقلید[1] سے متعلق، ادارہ علامہ کا مکمل مضمون ایک علیحدہ کتابچہ کی شکل میں ہدیۂ ناظرین کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اگر توفیقِ الٰہی میسر آئی تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی پیشِ خدمت کر دیا جائے گا۔ جو کہ عوام، بالخصوص نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اور اس طبقے کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا جو کہ اپنی دینی اصلاح کا تو متمنی ہے، لیکن اس کشمکش میں مبتلا ہے کہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والوں میں سے تقلید کس کی کی جائے۔ کیوں کہ وہ اپنی دینی کم علمی کے باعث کسی نہ کسی کی تقلید پر خود کو مجبور پاتا ہے۔

یہ اضافہ اس لئے بھی ضروری خیال کیا گیا کہ اس سے ہماری تحقیق کی پر زور تائید حاصل ہوتی تھی۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ مصنف کی تحقیقی کاوش سے کسی حد تک اہلِ پاکستان کو بھی متعارف کرا دیا جائے نیز عام مسلمانوں کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو جائے کہ عقیدۂ ایصالِ ثواب کے خلاف آواز بلند کرنے والے صرف حبیب الرحمان کاندھلوی ہی کیوں ہیں، دوسرے

---

[1] یہ کتاب "تقلید" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ —— "ادارہ"

علماء بالخصوص مفتی حضرات کیوں خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں ؟ ۔

مولوی محمد صاحب اپنی کتاب صرف (۲۰۰) کی تعداد میں چھپوا سکے، جو کسی شمار میں نہیں آتی۔ الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اپنی اس کتاب کو (۲۰۰) سے زاید طبع کروا سکے۔ تاہم یہ تعداد دو سو کے مقابلے میں کافی زیادہ ہے۔ پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ اور اصلاح معاشرہ کی عام خواہش کے پیش نظر یہ توقع ضرور کی جا سکتی ہے کہ شاید دینی خدمات کا جذبہ رکھنے والے متموّل و مخیّر حضرات صدقۂ جاریہ کے اس کارِ خیر میں حصہ لیتے ہوئے ہماری اس سعی کو وسیع و ملک گیر پیمانے پر عام کرنے میں ساتھ دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل فرمائیں گے۔

علامہ مولوی محمد صاحب کی کتاب کے چیدہ چیدہ مختصر حصے

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت محمدی کے مطابق ایک مسلمان اپنے مرے ہوئے بھائی کو اپنی نیکیوں کا ثواب بخش سکتا ہے۔ تیجے، چالیسویں اور برسی کی رسم اسی بناء پر ہے یقین کیا جاتا ہے کہ ان رسوم سے مرنے والا عذاب قبر اور عذاب حشر سے محفوظ رہتا ہے۔ یا کم از کم اس کے عذاب میں کمی ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر مرحوم والدین اور دوسرے اعزا کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے اور لوگوں کو حج بدل کے لئے ارضِ مقدس بھیجا جاتا ہے۔ ایک سعادت مند بیٹا قرآن پڑھ پڑھ کر اس کا ثواب اپنے مرے ہوئے والدین کو بخشتا رہتا ہے اور بعض لوگ تو اپنے بجائے صرف والدین کی طرف سے قربانی کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ حالانکہ قربانی ان پر واجب تھی نہ کہ مرحوم والدین پر۔ اس موقع پر غور و فکر کرنے والے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے "جب تخلیق انسانی کا مقصد عمل کی آزمائش" ہے اور قیامت کے روز عمل کا تکنا برحق ہے اور اسی

قدرتی میزان کے فیصلے کے مطابق انسان نجاتِ اخروی کا مستحق یا عذاب دوزخ کا سزاوار ہوتا ہے تو پھر ایک کا ثواب دوسرے کو دیا جانا کیوں کر ممکن ہے۔ اگر ثواب ادلا بدلا جا سکتا تو اعمال کی آزمائش کیا معنی؟ بخشا ہوا ثواب کس کو ملے گا؟ کس کے پلے پڑے گا؟ نیکی کی زید نے ثواب ملا عمر کو یہ کیسی آزمائش ہے؟....

آیاتِ الٰہی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے عمل کی آزمائش ہے۔ قیامت کے روز اعمالِ انسانی کو قدرتی میزان کے ذریعے تولا جائے گا جس کے اچھے اعمال کا پلّہ بھاری ہوگا وہ فلاح پائے گا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا وہ برباد اور نامراد ہوگا یعنی ہر شخص اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ پائے گا کسی کو دوسرے کے عمل سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ ماں باپ، بھائی بہن، میاں بیوی ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں گے،

(موصوف نے جن قرآنی آیات کو پیش کیا ہے ان کے ذریعے تین باتیں واضح طور پر زیرِ بحث لائی گئی ہیں۔)

١۔ ایک انسان کی تخلیق کا مقصد آزمائشِ عمل ہے۔

٢۔ قیامت کے روز ہر شخص کا عمل تولا جائے گا۔ جس کا نیکی کا پلہ بھاری ہوگا وہ نجات پائے گا اور جس کا بدی کا پلّہ بھاری ہوگا وہ عذاب کا سزاوار ہوگا.....

٣۔ انسان کو اسی کے عمل کا بدلہ ملیگا۔ دوسرے کا عمل اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

...... تبٰرک الذی بیدہ الملک و ہو علیٰ کل شیئ قدیر .... و ہو العزیز الغفور۔ (الملک)

ترجمہ:۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (ساری کائنات کی) بادشاہی ہے اور وہ (خدا) ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔

تشریح:۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تخلیق انسانی کا واحد مقصد عمل کی آزمائش ہے۔ انسان

کو پیدا کر کے خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور کون برائی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک انسان اپنے اچھے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے تو نیکی اور بدی کی آزمائش ناممکن ہو جائے گی۔ برے سے برا آدمی دوسرے کے اچھے اعمال سے فائدہ اُٹھا کر جنّت کا پروانہ حاصل کر سکتا ہے۔ ایک شخص جس کی نیکی کا پلّہ ہلکا ہے دوسروں کی نیکی کا ثواب حاصل کر کے اپنے پلّے کو بھاری کر سکتا ہے۔ اور اللہ کی میزانِ عمل کو ایک بے ایمان تاجر کی ترازو کی طرح میزانِ فریب بنا سکتا ہے۔ اور ہر فاسق و فاجر سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کی نیکی خرید کر جنّت کا حقدار بن سکتا ہے۔ اور دوزخ اور جنّت کا سارا نظام درہم برہم کر سکتا ہے۔ اللہ میاں کہتے ہیں تو کہا کریں۔ "والوزن یومئذ الحق (الاعراف)" اس دن نامۂ اعمال کا تُلنا برحق ہے، بندے تو اپنا ثواب دے کر وزن کے اصول کو خاک میں ملا دیں گے پھر یہ نہ کہا جا سکے گا "جو ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا"۔۔۔۔۔

آیت:۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ۔۔۔۔۔ وکفیٰ بنا حاسبین ۰ (الانبیآء)

ترجمہ:۔ اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازو قائم کریں گے (اور سب کے اعمال تولیں گے) تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے۔ اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

تشریح:۔ قیامت کے روز اعمال کی جانچ کا یہ عالم ہوگا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ترازو کے پلّے سے باہر نہ ہوگا اور حساب خود خداوند عالم فرمائے گا کیا ایسے نگران کی موجودگی میں تول میں کمی بیشی ہو سکتی ہے؟ کیا ایسے عادل شہنشاہ کے دربار میں ایک کا عمل دوسرے کے پلّے میں تولا جا سکتا ہے؟ ایسی سخت نگرانی میں تول میں کمی بیشی کرنا کس کے بس کی بات ہے۔

لہٰذا ایصالِ ثواب (یعنی ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو دے دینا) خوش فہمی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایک نہیں دس قرآن پڑھ کر مردے کو بخش دیجئے۔ منیٰ میں ایک نہیں دس قربانی والدین کے نام سے کیجئے مولینا صاحب قبلہ کو ایک نہیں دس مرتبہ حج بدل کے لئے حرمین شریفین

روانہ فرما دیجئے آپ کے حصے کا وہی ثواب ہے جس کے لئے خود آپ نے عمل کیا ہو۔ یاد رکھیئے "ہر شخص اپنے عمل سے بندھا ہوا ہے"......

آیت :۔ ولکل درجت مما عملوا ، وما ربک بغافل عما یعملون (الانعام)

ترجمہ :۔ "اور ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔ تیرا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے"

تشریح :۔ اگر آپس میں ایک شخص کا ثواب ادلا بدلا جا سکتا ہے تو کسی شخص کا درجہ اس کے عمل کے مطابق ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ایک دوزخی کو دوسرے کے ثواب سے جنت مل گئی تو اس کا درجہ عمل کے مطابق کب رہا؟ درجہ کا عمل کے مطابق ہونا اسی وقت ممکن ہے جب عمل کے بدلے کے تعین میں کسی طرح کی بے عنوانی نہ ہو......

آیت :۔ ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلها ط (بنی اسرائیل)

ترجمہ "اگر تم بھلائی کروگے تو اپنے ہی لئے کروگے اور اگر برائی کروگے تو اس کا وبال بھی تمہاری ہی گردن پر رہے گا۔"

تشریح :۔ خدا کہتا ہے "اگر تم نیکی کروگے تو اپنے لئے ہی کروگے" مولوی کہتا ہے، نہیں! ہم دوسروں کے لئے بھی نیکی کر سکتے ہیں اور اپنی نیکی کا ثواب دے سکتے ہیں۔ اب کس کی بات مانی جائے؟ خدا کی کہ مولوی کی؟ .....

(اے لوگو!) اچھی طرح سمجھ لو کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا...
ایک شخص کے نامۂ اعمال میں دوسرے کا عمل کیسے درج ہو سکتا ہے۔ ثواب یا عذاب نامۂ اعمال کے مطابق ہی تو ہوگا۔ ....

آیت :۔ واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ ..... لا نبتغی الجٰھلین ۵ (القصص ۵۵)

ترجمہ:۔ اور جب (ایمان لانے والے) بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ (ہماری طرف سے) تم کو سلام! ہم جاہلوں کے پیچھے نہیں پڑتے ہیں۔

تشریح:۔ مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے "ہمارے لئے ہمارے اعمال، تمہارے لئے تمہارے اعمال" نہ یہ کہ قانونِ الٰہی توڑ کر مردے سے کہا جائے "گھبرانا مت ہمارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہماری قرآن خوانی ہمارا حج۔ ہماری قربانی ہمارا زندگی بھر کا ثواب سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ ہم تمہاری نیکی کا پلہ بھاری کر دیں گے۔ دیکھیں اب تمہیں کون دوزخ میں بھیجتا ہے؟"

اپنا ثواب مردے کو دینا خدا کی نافرمانی ہے۔ قانون شکنی ہے۔ جان بوجھ کر خدا کا قانون توڑنا بڑا جرم ہے۔ اور یہ بے وقوفی بھی ہے۔ ہم کتنا ہی ثواب مردے کو دیں خدا کے قانون کے مطابق ہمارا ثواب اس تک نہ پہنچے گا۔.......

خدا کے قانون کے مطابق انسان کے باہم رشتے اور تعلقات اسی دنیا کی زندگی تک محدود ہیں موت ان تمام رشتوں اور تعلقات کو منقطع کر دیتی ہے۔ اس وقت کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ اور تو اور مرتے وقت خود انسان اپنی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر وہ مرتے وقت توبہ کرے تو وہ قبول نہ ہوگی ..... خدا کا قانون پھر سن لیجیئے ...:۔ "اس روز سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلا نہ دے سکے گا۔ اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا" لہٰذا اے مسلمانو! دوسروں کے ثواب پر بھروسہ کر کے دھوکہ میں نہ آؤ۔ شیطان تو دھوکہ دیتا ہی رہے گا۔

آیت:۔ هل يجزون الا ما كانوا يعملون (السبا ۳۳)

ترجمہ:۔ "کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے ان کے عمل تھے ویسی ہی جزا پائیں۔

تشریح:۔ جب انسان اپنے اعمال کے علاوہ کوئی اور بدلہ نہیں پا سکتا تو دوسروں کے عمل کا ثواب اسے کیسے مل جائے گا۔

آیت :- فالیوم لا یملک بعضکم لبعض .... التی کنتم بہا تکذبون

(السباء ۴۲)

ترجمہ :- "تو آج قیامت کے دن تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور ظالموں سے ہم کہدیں گے ۔ اب چکھو اس عذاب جہنم کا مزہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ۔

تشریح :- جب یہ طے ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو ثواب بخشنے سے کیا فائدہ ؟ یہ کیسی بے عقلی ہے کہ خدا تو کہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہم کہیں کہ نہیں ہمارا بخشا ہوا ثواب مردے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے ......

آیت :- تبارک الذی بیدہ الملک .... لیبلوکم ایکم احسن عملاً

(الملک) ...

"بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) بادشاہت ہے ۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ وہی خلاقِ عالم ہے جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے ؟

انسان کا عمل ہی تو ہے جو اس کے لئے جنت یا دوزخ تیار کرتا ہے ۔ اسی لئے عاقبت اندیش انسان برائی سے بچ کر نیکی اختیار کرتا ہے ۔ لیکن اگر آزمائش عمل کا قانون توڑ دیا جائے تو کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ صرف نیکی کے خیال سے دنیا کے بے شمار فائدوں اور دلچسپیوں سے صرف نظر کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے ثواب پر بھروسہ کر کے مسلمان حسن عمل سے لاپرواہ ہوگئے ۔ آخر کار ایصال ثواب اور رسول کی شفاعت پر نجات کا دارومدار آ ٹھہرا ۔ ...

علمائے اکرام کی رائے پر تبصرہ

تمام علماء و فقہا نے ان آیاتِ قرآنی کا مفہوم وہی سمجھا جو ان کے الفاظ سے ظاہر ہے ۔ بجز

بھی بعضوں نے موضوع احادیث اور غیر معتبر روایات پر بھروسہ کر کے ثواب بخشنے کے مختلف طریقے ایجاد کر لئے۔ گویا یہ بھی مانتے ہیں کہ "ایک شخص اپنا ثواب کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ اور اس کے برعکس یہ بھی دعویٰ ہے کہ "ہر شخص اپنا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہ تو بالکل ایسی بات ہوئی جیسے کوئی کہے "کوئی شخص شراب نہیں پی سکتا۔ لیکن ہر شخص شراب پی سکتا ہے۔" "کوئی شخص جھوٹی گواہی نہیں دے سکتا۔ لیکن ہر شخص جھوٹی گواہی دے سکتا ہے۔" "کوئی شخص رشوت نہیں لے سکتا لیکن ہر شخص رشوت لے سکتا ہے۔"

مذکورہ بالا آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں "اس آیت کی رو سے کسی کا ثواب دیگر کو نہیں دیا جا سکتا" پھر فرماتے ہیں، "چونکہ رسول اللہؐ نے حج بدل اور دوسرے کی طرف سے حج اور دوسروں کی طرف سے قربانی کی اجازت دی ہے۔ اس لئے دوسرے کی طرف سے حج اور قربانی کی جا سکتی ہے۔ لیکن دوسرے کی طرف سے نماز روزہ، قرآن خوانی، وغیرہ نہیں کی جا سکتی۔ بالفاظِ دیگر مالی عبادت کا ثواب مردے کو بخشا جا سکتا ہے لیکن بدنی عبادت (یعنی قرآن خوانی نماز۔ روزہ وغیرہ) کا ثواب مردے کو نہیں بخشا جا سکتا۔

امام شافعیؒ کی رائے صحیح نہیں ہے

اس لئے کہ اگر ان حدیثوں کو صحیح مان لیا جائے جن پر امام شافعیؒ نے اس مسئلے کی بنیاد رکھی ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہؐ نے (نعوذ باللہ) اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کو توڑا۔ لیکن آنحضرتؐ کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ . .

کیا ان آیات کی موجودگی میں کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہؐ نے قانونِ الٰہی کے خلاف اپنی طرف سے ایصالِ ثواب کی اجازت دے دی تھی؟ کیا آپ کو خدا کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف نہ تھا۔

بہرحال امام شافعیؒ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا کی آیات کے مطابق "کوئی شخص اپنا ثواب دوسرے کو نہیں دے سکتا۔" اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ "حج، قربانی اور صدقات کا ثواب دوسرے کو دیا جا سکتا ہے"

یہ کھلا تضاد ہے۔"

منکرِ اسلام حضرت مولینا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور بھی تسلیم کرتے ہیں کہ

"اس ارشاد (یعنی آیتِ زیرِ بحث) سے بھی تین اصول نکلتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی پائے گا اپنے عمل کا پھل پائے گا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کے عمل کا پھل دوسرا نہیں پاسکتا اِلّا یہ کہ اس عمل میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

۳۔ تیسرے یہ کہ کوئی شخص سعی و عمل کے بغیر کچھ نہیں پاسکتا۔" (تفہیم القرآن ص۲۱۵)

مولانا مرحوم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ " ایک شخص کے عمل کا پھل (ثواب) دوسرا نہیں پاسکتا، پھر بھی فرماتے ہیں

"یہ کثیر روایات و احادیث جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ ایصالِ ثواب (کسی زندہ آدمی کا مردے کو اپنے عمل کا ثواب بخشنا) نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہر طرح کی عبادت اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہوسکتا ہے اور اس میں کسی خاص نوعیت کے اقسام کی تخصیص نہیں ...." (تفہیم القرآن جلد ۵ ص۲۱۷)

مولینا مرحوم کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ھذا کے حکم کے مطابق کسی کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا لیکن چونکہ روایات کی رو سے عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہوتا ہے اس لئے ہم کو احکامِ قرآنی سے صرف نظر کرکے حدیث کا حکم ماننا چاہیئے۔ بالفاظِ دیگر جب حدیث و قرآن کا مقابلہ ہوجائے اور روایات کی کثرت ہو تو حدیث کی بات مانی جائے گی۔ اور قرآن کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا جائے گا۔

اگر یہی طرزِ استدلال ہے اور اسی کا نام "فراستِ مومن" ہے تو ایمان والوں کا خدا ہی نگہبان ہے ......

یہ ہے علمائے کرام کا طرز استدلال۔ دن کو رات کہنا اور رات کو دن کہہ دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس علم و حکمت کے دور میں اس قسم کے تضاد پر کون ایمان لائے گا۔

یاد رہے کہ جن روایات پر اس مسئلے کی بنیاد رکھی گئی ہے ان میں صرف حج بدل اور قربانی کا ذکر ہے۔ قرآن خوانی کے ثواب کا تو کسی حدیث میں بھی ذکر نہیں ہے امام شافعیؒ (جنہیں بقول ابن خلدون پچاس ہزار حدیثیں یاد تھیں) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنی عمر مبارک میں کبھی ایک آیت کا ثواب کسی کو نہیں بخشا پھر ہمارے علماء نے نماز روزہ قرآن خوانی وغیرہ کے ثواب کو آپس میں بدلنے کی رسم کہاں سے نکال لی؟۔

آیت:۔ وانفقوا مما رزقنکم ..... واللہ خبیر بما تعملون

(المنٰفقون ۱۰-۱۱)

ترجمہ:۔ (اے ایمان والو!) اس (مال) میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے اس وقت سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو وہ (اس وقت کہنے لگے) "اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہوجاتا۔ (لیکن اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا کیوں کہ اس کا قانون تو یہ ہے کہ) جب کسی کی موت آجاتی ہے تو خدا اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ (لہٰذا اسی زندگی میں خیرات کرلو تاکہ نیک لوگوں میں داخل ہوجاؤ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے"

تشریح:۔ مذکورہ بالا آیت سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ مالی عبادت کا ثواب بھی اسی وقت ملے گا جب انسان اپنی زندگی میں خود اپنے ہاتھ سے خیرات کرے مرنے والے کو صاف الفاظ میں بتلا دیا گیا کہ اس کے مرنے کے بعد دوسرا شخص اپنا یا خود اسی کا مال اس کی طرف سے خیرات نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے والا گڑگڑا کر خدا سے کہتا ہے "اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دیتا تو میں خیرات کرکے نیک لوگوں میں داخل ہوجاتا"

اگر مرنے کے بعد دوسرا شخص اس کی طرف سے خیرات کرسکتا ہے تو مرنے والے کو نزاع کے

وقت اتنی گھبراہٹ کیوں جب وہ اپنی اولاد اور اعزا و احباب سے کہہ سکتا ہے کہ "میری طرف سے میرے مرنے کے بعد خیرات کر دینا" لیکن بجائے اس کے کہ وہ خدا سے مہلت مانگتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے خیرات کر سکے لیکن اس کو مہلت نہیں دی جاتی بلکہ اس سے کہا جاتا ہے "تم نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا ہے خدا اس سے باخبر ہے، یعنی تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کر چکے ہو۔

خدا کے حکم کا خلاصہ یہ ہے۔

مرنے سے پہلے خیرات کر لو اس لئے کہ مرنے کے بعد دوسروں کی خیرات سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

آیت:۔ ولا یسئل حمیم حمیما ۔ ۔ ۔ وجمیع فادعی (المعارج ۱۰ تا ۱۸) "(قیامت کے دن) کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ ہوگا (ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ رہے ہوں گے (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں سب کچھ دیدے اپنے بیٹے، اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور (یہی نہیں بلکہ) جتنے آدمی زمین پر ہیں ان سب کو دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تشریح:۔ قیامت کے عذاب کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ دنیا جہان کے رشتے ٹوٹ جائیں گے یہی نہیں کہ باپ بھائی بیٹے اور دوسرے اعزا کام نہ آئیں گے بلکہ باپ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے بدلے جہنم میں ڈالنے پر تیار ہو جائے گا لیکن کیا اس طرح وہ عذاب سے چھٹکارا پالے گا؟ قرآن کہتا ہے "ہرگز نہیں" لیکن مولوی کہتا ہے "ہم لوگ اپنا ثواب دے کر اسے دوزخ کے عذاب سے بچالیں گے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ میاں کہا کریں باپ بیٹا، بھائی، بیوی کوئی کام نہ آئے گا۔ مسلمانوں کی قرآن خوانی سلامت رہے بہتیرے فاسق و فاجر جہنم سے چھٹکارا پالیں گے اور جانے کتنے اوباش اور بدکار جنت کے حقدار بن جائیں گے۔

..... علاوہ ازیں اپنا ثواب دینے میں خدا کی توہین ہے اپنا ثواب دینے کا یہی مقصد تو ہوگا کہ اگر خدا انہیں بخشتا تو ہم اپنا ثواب دے کر مردے کو دوزخ سے بچائے لیتے ہیں خدا انہیں بخشتا نہ بخشے ہم اس کو اپنا ثواب بخشے دیتے ہیں۔ یہ بارگاہ ایزدی میں پرلے درجے کی گستاخی ہے۔ اس سے گڑگڑا کر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے معافی مانگو۔ اپنا معمولی سا ثواب مت پیش کرو اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے . . . .

آیت :۔ ان یوم الفصل میقاتہم اجمعین ..... انہ ھو العزیز الرحیم

(الدخان ۔۔ ۴۰ - ۴۲)

ترجمہ :۔ "ان سب کے اٹھائے جانے کا طے شدہ وقت فیصلہ کا دن ہے۔ وہ دن جب کوئی قریب عزیز اپنے کسی قریب عزیز کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی اور طرف سے انہیں مدد پہنچے گی۔ سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے، بے شک وہ زبردست رحم فرمانے والا ہے۔"

تشریح :۔ ارشادِ باری ہے "قیامت کے دن قریب ترین عزیز بھی کام نہ آئے گا۔ اور نہ کسی اور طرف سے مدد ملے گی، علمائے اکرام فرماتے ہیں عزیز تو پھر عزیز ہے غیر بھی اپنی قرآن خوانی سے اپنی قربانی سے، اپنے حج سے مرنے والے کو ثواب پہنچا سکتا ہے۔

آیت :۔ قل الذین اٰمنوا یغفروا . . . ثم الی ربکم ترجعون (الجاثیہ ۱۴، ۱۵)

ترجمہ :۔ (اے پیغمبر!) ایمان لانے والوں سے کہدو کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دن آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے ان کی حرکتوں پر درگذر سے کام لیں تاکہ اللہ خود ایک گروہ کو اس کی کمائی (یعنی عمل) کا بدلہ دے (کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے کرے گا اور جو کوئی برائی کریگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ (کیونکہ تم سب کو اپنے رب ہی کی طرف جانا ہے)

تشریح :۔ قیامت کے دن ہر شخص خدا کے روبرو حاضر ہوگا۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملے گا۔ نیک کو نیکی، بد کو بدی۔

آیت :۔ خلق السموٰت والارض بالحق ولتجزیٰ کل نفس ماکسبت

وھم لایظلمون۔ (الجاثیہ ۲۲)

ترجمہ:۔ "اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق یعنی ایک با مقصد نظام کے تحت پیدا کیا ہے تاکہ ہر متنفس کو اس کی کمائی (یعنی عمل) کا بدلہ دیا جائے (اس طرح کہ) کسی پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو"

تشریح:۔ یہ آیت بے حد اہم ہے اس پر سے سرسری طور پر نہ گذر جاؤ۔ آسمان زمین کی پیدائش ایک با مقصد نظام سے وابستہ ہے جہاں کوئی ذرہ بلکہ ایک ایٹم بھی بیکار نہیں پیدا کیا گیا۔ انسان بھی اس کائنات کا جزو (بلکہ ایک اہم حصہ) ہے اور ان تمام قوانین کا پابند ہے جن پر کائناتِ ارضی و سماوی کی ہر شے کے وجود و عدم کا انحصار ہے۔

انسان کا وجود و عدم۔ کامیابی اور ناکامی عروج و زوال سب کچھ اسی "قانونِ فطرت" سے وابستہ، آسمان و زمین کی ہر شے اسی قانون کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ ہر حرکت ایک نتیجہ رکھتی ہے۔ ہر عمل ایک خاصہ رکھتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی انسان کا کردار بنانے یا بگاڑنے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ لہٰذا "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" "جو شخص ذرہ کے برابر نیکی کریگا وہ بھی اس کے کردار پر اثر انداز ہوگی اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اپنا برا اثر ظاہر کر رہے گی۔ ایک ناپاک قطرہ حوض کے سارے پانی کو ناپاک کر سکتا ہے

مسلمان اسی خواب خرگوش میں پڑا ہے کہ جتنی برائی چاہے کرے نہ کردار بگڑے گا نہ جنت ہاتھ سے جائے گی۔ اعزا و احباب کی قرآن خوانی بیٹے کی طرف سے حج بدل اور قربانی تمام گناہوں اور بدکرداریوں کا اثر زائل کر دے گی۔

کاش مسلمان "قانونِ فطرت" کی بے لاگ اثر اندازی سے واقف ہوتا!

آیت:۔ وترٰی کل امۃ جاثیۃ ... انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون (الجاثیہ - ۲۸-۲۹)

ترجمہ:۔ اس وقت تو ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھے گا۔ ہر گروہ کو پکارا

جائے گا کہ آئے اور اپنا اعمال نامہ دیکھے مزان سے یہ بھی کہا جائے گا" آج تم کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یہ ہمارا (مرتب کیا ہوا) اعمال نامہ ہے جو تمہارے اعمال کے متعلق ٹھیک ٹھیک بیان دے رہا ہے (کیونکہ) جو کچھ تم کیا کرتے تھے اسے ہم لکھواتے جا رہے تھے"

تشریح :- قیامت کے دن ہر شخص کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا۔ اسی اعمال نامے کی شہادت کے مطابق ہر شخص کو اس کے عمل کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا۔ وہاں دوسرے کے بخشتے ہوئے ثواب کا تصور بھی نہ ہوگا۔

آیت :- ولکل درجٰت مما عملوا .... وھم لا یظلمون (الاحقاف :۱۹)

ترجمہ :- "قیامت کے روز ہر شخص کے درجے اس کے اعمال کے مطابق ہوں گے اور ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا۔"

تشریح :- عمل کے مطابق اسی وقت بدلہ ہوگا جب اس کے ساتھ دوسرے کا ثواب شامل نہ ہو۔ جب دوسرے کا ثواب شامل ہو گیا تو عمل کے مطابق بدلہ کہاں رہا ؟

جنّت کا سودا

جنّت مفت نہیں ملا کرتی۔ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے بیچنے والا خدا ہے خریدار مسلمان ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم ... ذالک ھو الفوز العظیم (التوبہ - ۱۱۱)

ترجمہ :- "بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے جنّت (کی جاویدانی زندگی) ہو۔ وہ (کسی دنیاوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا) تورات، انجیل قرآن

(اپنی تینوں کتابوں) میں (یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو۔ پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا خوشیاں مناؤ۔ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

تشریح:۔ مولینا آزاد اس آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جان بھی اور مال و متاع بھی۔ اب ان کی چیز ان کی نہیں رہی اللہ اور اس کی سچائی کی ہوگی ...... اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضے میں کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ نعمت ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں۔

یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاق حق میں طے پا گیا اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے اور نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا ...... کیوں کہ مقصود اللہ کے لطف و کرم کا اظہار تھا۔ اس لئے معاملے کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بیچنے والے کی طرف سے یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ کہا "اللہ نے مومنوں سے خرید لی" گویا معاملے کا طالب وہ تھا حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزہ ہے اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی۔ اور جو کچھ معاوضے میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے"۔ (ترجمان القرآن جلد ۲)

... اللہ بے نیاز ہے اسے ہماری جان یا مال کی مطلق ضرورت نہیں۔ حقیقت میں خریدار تو ہم ہیں۔ ہم نے جان و مال کے بدلے جنت خریدی۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے اپنے کو خریدار کی حیثیت سے ظاہر کیا۔

صحابۂ کرام نے جان اور مال متاع دیکر جنت خریدی تھی۔ آج مسلمان دوسروں کے فرضی ثواب پر بھروسہ کر کے جنت کا طلب گار ہے۔

مسلمانو! اچھی طرح سمجھ لو جنت کی نعمتیں خیرات کے طور پر نہیں بٹتیں۔ قیامت کے بازار میں کھوٹے سکے کا چلن نہیں ہے۔ عمل صالح درکار ہے۔ جو یہاں بوؤ گے وہی وہاں کاٹو گے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مزید اضافہ نمبر (۲)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہماری اس ناچیز سی کوشش کو نہ صرف عوام میں مقبولیت عطا فرمائی بلکہ ہماری تمام تحقیقی کاوشوں کو بھی پذیرائی بخشی۔ ہم اس بات کے بھی شکر گذار ہیں کہ اہل علم و دانشور حضرات بالخصوص علمارکرام کی جانب سے کوئی تردید بھی نہیں کی گئی، جس سے اس امر کی بخوبی نشاندہی ہو رہی ہے کہ ہماری یہ تحقیق یقیناً معقول اور ناقابل تردید ہے جیسا کہ ہمارا دعویٰ تھا۔ البتہ کتاب شائع ہونے کے بعد تردید برائے تردید کے طور پر چند تحریریں ضرور دیکھنے میں آئی ہیں جن میں یا تو بعض اکابرین کے اقوال کو پشت پناہی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے یا قرآن کریم کی بعض آیات سے غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب درست و مطابق دین ہے۔ لیکن ایسی تمام تحریروں میں دین کے اصل مآخذ کتاب اللہ سے ایک آیت تک پیش نہیں کی گئی۔ اور نہ کسی ایسی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے ثواب کی منتقلی کا اصول ثابت ہوتا ہو۔

اس سلسلہ میں جو تحریریں نظر سے گذری ہیں ان کی کیفیت کچھ یوں ہے۔

۱ — ایصال ثواب کے قائل ایک کرم فرما نے ہماری کتاب منسلک کرتے ہوئے کراچی کے ایک بڑے اہم دارالعلوم سے وابستہ ایک معروف بزرگ و قابل احترام سب سے بڑے مفتی صاحب کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا تھا کہ منسلکہ کتاب کے مطابق اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصال ثواب کی کبھی کوئی تعلیم نہیں دی اور نہ ایسا کوئی فعل انجام دے کر کوئی مثال قائم کی، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے

کسی ایک نے بھی اپنے عمل کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کے نام منتقل کیا جس سے یہ ثابت کیا جا سکتا کہ ایصالِ ثواب ایک کارآمد اور مطابق دین عمل ہے تو ایسی صورت میں ہمارے مروجہ ایصالِ ثواب کے عمل کی دینی اعتبار سے کیا حیثیت ہوگی؟ کافی دوڑ دھوپ سے تقریباً چار ماہ بعد مفتی صاحب کا طویل جواب بشکل فتویٰ حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی، جس میں نہ تو کسی قرآنی آیت سے استدلال کیا گیا تھا اور نہ ہی کتاب کے مندرجات پر کوئی اعتراض وارد کیا گیا تھا۔ اس قسم کا اعتراض بھی موجود نہ تھا کہ ہم نے پیش کردہ قرآنی آیات کے جو معنی و مطالب بیان کئے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اکابرین کے اقوال کا حوالہ دے کر یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ درست و مطابق دین ہے، لیکن اس میں ایک لطف کی بات یہ ہے کہ مضمون کے آخری حصہ میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایصالِ ثواب کی موجودہ تمام رسمیں مثلاً ختم دلوانا، فاتحہ پڑھوانا، سوم، دسواں چالیسواں، قل اور قرآن خوانی پڑھوا کر عوض دینا یا اور غلط رسم و رواج بدعت ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

مذکورہ بالا فتوے کے سلسلہ میں سائل نے مفتی صاحب سے مزید مراسلت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ ازراہِ کرم قرآن حکیم کے حوالے سے مسئلہ کو حل فرمایا جاوے تو نوازش ہوگی وغیرہ۔ لیکن بارہا تقاضا کرنے کے باوجود تادم تحریر ہذا سائل کو جواب حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور شاید کبھی نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ثواب کی منتقلی کا کوئی اصول بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے۔ سائل اور مفتی صاحب کے درمیان جو مراسلت ہوئی ہے اس کو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں جن میں سے صرف ناموں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ کرنے کے بعد آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ یہ فتویٰ کتاب میں پیش کی گئی

قرآنی آیات کے سراسر منافی ہے اور یہ قرآن کا کھلا انکار بھی

مُرَاسِلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم عالی جناب مولانا مفتی .... پاکستان

دار الافتاء .... کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والاجناب کی خدمت میں ایک خرید کردہ کتاب "عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں" ارسال کی جارہی ہے۔ مطالعہ فرماکر اس کے مندرجہ کے متعلق اپنے مفتیانہ فیصلے سے مطلع فرمائیں کہ جیسا کہ کتاب مذکور میں درج ہے "کیا حقیقتاً ایصالِ ثواب کا عمل قرآن وسنت کے منافی ہے؟ اور دین سے ماسوا ہے؟

کتاب مذکور تو یہ کہتی ہے کہ نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کی کبھی تعلیم دی اور نہ ایسا کوئی فعل انجام دے کر کوئی مثال قائم کی اور نہ صحابہ کرام اجمعین میں سے کسی ایک نے بھی اپنے عمل کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کے نام منتقل کیا۔ جس سے یہ ثابت کیا جاسکتا کہ ایصالِ ثواب ایک کارآمد عمل ہے اور مطابق دین بھی ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے مروجہ ایصالِ ثواب کے عمل کی دینی حیثیت کیا ہوگی۔ اس پر روشنی ڈالی جائے تو باعث تسکین ہوگا۔ تاکہ ایصالِ ثواب کے عقیدہ سے وابستگی برقرار رکھنے یا نہ رکھنے میں مدد لی جاسکے اور کسی قسم کے خطرے سے دوچار بھی نہ ہونا پڑے۔

فقط ۔۔ منتظر الجواب سید محمد ....

۵۱-۱- پیر الٰہی بخش کالونی کراچی

مورخہ ۱۶/۱۱/۸۵ء

الجواب : باسمہ تعالیٰ

تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک آدمی اگر خالص نیت سے کوئی نیک عمل بجالاتا ہے اور اس کا ثواب کسی میت کو پہنچاتا ہے تو یہ جائز ہے بلکہ بدیں اعتبار یہ مستحب بھی ہے کہ دوسرے آدمی پر یہ احسان کر رہا ہے۔

اس مسلک کی تصریح تمام فقہاء کرام نے کی ہے۔ چنانچہ حنفی فقہ کے مشہور امام علامہ مرغینانی اپنی مشہور کتاب "ہدایہ" میں اس طرح رقمطراز ہیں :-

ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃً او صوماً او صدقۃً او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ [a]

ھدایہ مع فتح القدیر ص ۱۴۲ ج ۳)

اس کے ذیل میں صاحب "عنایہ" یوں رقمطراز ہیں

واعلم ان من صلی او صام او تصدق فجعل ثواب ذالک لغیرہ جاز عند اھل السنۃ والجماعۃ۔ ایضاً

یعنی کسی انسان نے نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر، یا صدقہ دے کر اس کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچا دیا تو یہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کے ہاں جائز ہے۔

فقہاء کرام کی ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ہر طرح کا "ایصال ثواب" جائز ہے۔ خواہ "میت" نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو مسئولہ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک صرف ان چیزوں کا "ایصال ثواب" ہوتا ہے جن کی "میت" نے وصیت کی ہو یا اس نے نذر ومنت مانی ہو، یا کسی طرح اس عمل سے اس کا کوئی تعلق رہا ہو۔ اس کے علاوہ باقی کسی بھی عمل کا ثواب "میت" کو نہیں پہنچتا ہے

---

[a] انسان اپنے اعمال کا ثواب غیر کو بخش سکتا ہے نماز ہو یا روزہ صدقہ وغیرہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک
(ہدایہ معہ فتح القدیر ص ۱۴۲ ج ۱)

چنانچہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر وہ لکھتے ہیں :۔
"حاصل کلام یہ کہ اس قسم کا ایصال جس کی بنیاد مرنے والے
نے خود رکھی ہو یا اس کی وصیت کر کے مرا ہو، اسے برابر خود بخود
ہوتا رہتا ہے "
مصنف کا یہ نظریہ "اہل السنت والجماعت" کے متفقہ نظریہ کے منافی ہے
جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہوتا ہے، اور علماء اہل سنت و فقہاً
امت کے مزید اقوال درج ذیل ہیں
۱ ۔ صاحب "الدر المختار" اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں :۔
الاصل ان کل من اتیٰ بعبادة ما له جعل ثوابها
لغيره وان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلة
(ج ۲ ص ۲۳۶)
فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی قسم کی بھی عبادت کرے تو اس کے لئے
جائز ہے کہ وہ اس کا ثواب کسی دوسرے شخص کو دیدے، اگرچہ عبادت
کرتے وقت اس نے اپنے لئے کرنے کی نیت ہی کیوں نہ کی ہو "
۲ ۔ علامہ ابن القیم الجوزی رح "کتاب الروح" میں اس طرح لکھتے ہیں :۔
هل تنتفع ارواح الموتىٰ بشيء من سعي الاحياء ام لا؟
فالجواب انها تنتفع من سعي الاحياء بامرين مجمع عليها
بين اهل السنة من الفقهاء واهل الحديث والتفسير
احدهما ما تسبب اليه الميت في حياته والثاني دعاء
المسلمين له واستغفارهم له والصدقة والحج
(کتاب الروح ص ۱۸۸)

فرماتے ہیں :۔ زندوں کے عمل سے "مُردے" کو دونوں طریقے سے نفع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ میت نے اپنی زندگی میں اس کی بنیاد رکھی ہو، اور دوسرے یہ کہ مسلمان میت کے لئے دعا کریں اور اس کے لئے استغفار کریں اور صدقہ و حج وغیرہ اس میت کے لئے کریں۔ اور یہ تمام باتیں اہل سنت کے فقہاء، محدثین اور مفسرین کے ہاں متفق علیہ ہیں۔

علامہ ابن القیم الجوزی کی مندرجہ بالا عبارت "مصنف" کی باتوں کی پرزور تردید کر رہی ہے۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آگے جا کر علامہ ابن القیم جوزیؒ نے "اہل بدعت" کا جو مسلک نقل کیا ہے وہی مسلک مصنف کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

ذهب بعض اهل البدع من اهل الكلام انه لا يصل الى الميت شئ البتة ۔ (ص ۱۸۸)

یعنی بعض بدعتی اہل کلام یہ کہتے ہیں کہ میت کو کسی قسم کا ایصال ثواب نہیں پہنچتا ہے۔

علامہ ابن القیم جوزیؒ نے پھر ان کے تمام دلائل بیان کئے ہیں اور پھر اس کے جوابات لکھے ہیں، مزے کی بات یہ ہے کہ مصنف نے جو بھی دلائل اپنے دعویٰ کے اثبات میں دیئے ہیں وہ تمام "کتاب الروح" میں موجود ہیں، ان کے جوابات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳ ۔ عقلی طور پر بھی مصنف کا نظریہ خود ان کے قول کے مطابق باطل ہو جاتا ہے کیونکہ مصنف اس بات کے تو قائل ہیں کہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو پھر اگر وارثین اس پر عمل کریں تو اس کا ثواب میت کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وصیت کی صورت میں میت کو صرف نیت کا ثواب ہونا چاہئے، کیونکہ اس وصیت کے مطابق "میت" کا عمل نہیں ہوا۔

عمل تو وارثین نے کیا ہے ؟، اور جب وصیت کی صورت میں وارثین کے عمل کا ثواب مرنے والے کو حاصل ہو جاتا ہے، تو عدم وصیت کی صورت میں بھی اس لئے ثواب پہنچنا ضروری ہے کہ دونوں میں وارثین کے عمل کی نیت مرنے والے کو ثواب پہنچانا ہے جو کہ دونوں میں مشترک ہے، چنانچہ مصنف کی بات سے خود اس کی تردید ہو جاتی ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے۔

مصنف کے تمام دلائل کا مفصل جواب "کتاب الروح لابن القیم" میں موجود ہے اس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ تفصیل کے لئے وہاں مراجعت فرمائیں۔

یاد رہے کہ "ایصال ثواب" اگر خالص نیت سے ہو اور صرف لوجہ اللہ ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب بھی ہے، لیکن اس میں بدعات وخرافات مثلاً ختم ہولوانا، فاتحہ پڑھوانا، سوئم، قل کرنا، اور چالیسواں وغیرہ منانا، قرآن پڑھواکر عوض دینا، یا اور غلط رسم ورواج کا اضافہ کرنے سے یہ فعل مکروہ تحریمی بن جائیگا اور اس قسم کے کرنے پر ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا۔

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہٗ

دستخط ....

دار الافتاء جامعۃ العلوم۔ کراچی ۵

۲۴ رجمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح

دستخط ....

المفتی .... بجامعۃ العلوم..

کراتشی ۵

مہر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام جناب علامہ حضرت مفتی .... صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم : مؤدبانہ التماس ہے کہ کتاب "عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" سے متعلق دارالاجناب کے دارالافتاء کا الجواب مورخہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ حاصل کرنے کے بعد کتاب مذکورہ کے حامیوں کے روبرو پیش کیا گیا تاکہ احقر اپنے عقیدہ ایصال ثواب کو جائز اور کار آمد ثابت کر سکے لیکن مذکورہ حضرات نے مطالعہ کے بعد اس کو عادلانہ اور منصفانہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بہ این اعتراضات کے کہ:-

۱- کتاب مذکورہ میں جو باتیں لکھی گئی ہیں وہ محکم آیات قرآنی کے حوالوں سے لکھی گئی ہیں، لیکن جواب میں نہ تو کسی قرآنی آیت سے بحث کی گئی ہے اور نہ ہی پیش کردہ آیات قرآنی کے معنی و مطالب بیان کرنے پر کوئی اعتراض وارد کیا گیا ہے اور نہ کسی واضح اور مستند حدیث کے حوالے سے اس عقیدہ کو صحیح ثابت کیا گیا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ آپ کے نزدیک بھی ناقابل تردید ہے۔

۲- محکم آیات قرآنی کے رد میں صرف علماء و فقہا اہل سنت کے اقوال پیش کئے گئے ہیں جن کو کسی طور پر بھی معتبر نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ قرآن کے مقابلے میں کسی کا بھی قول قابل قبول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بصورت دیگر قرآن کا انکار تصور کیا جائے گا۔

۳- علامہ ابن القیم الجوزی نے کتاب الروح صفحہ ۱۸۱ پر جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ مُردے" کو دو طریقوں سے نفع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ میت نے اپنی زندگی میں اس کی بنیاد رکھی ہو اور دوسرے یہ کہ مسلمان، میت کے لئے دعا کریں اور اس کے

لیے استغفار کریں۔ تو یہاں تک تو موصوف کی بات درست اور سو فیصد درست ہے کیونکہ قرآن واحادیث وعمل صحابہؓ وغیرہ کے عین مطابق ہے لیکن علامہ موصوف نے دعویٰ کردہ طریقوں کے بیان کرنے کے بعد صدقہ وحج کے جو مزید طریقوں کا اضافہ کیا ہے وہ درست نہیں، اس لئے کہ قرآن وحدیث وعمل صحابہ وغیرہ سے اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا، لہٰذا علامہ ابن القیم جوزی کے قول کا یہ زائد حصہ کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

۴۔ علامہ ابن القیم الجوزیؒ کے کندھے پر رکھ کر جو بندوق چلائی گئی ہے اور موصوف کے اقوال کے حوالے سے کتاب ایصال ثواب کے مصنف کو بدعتی قرار دینے میں جو لطف محسوس فرمایا گیا ہے وہ محض خود فریبی ہے کیونکہ بدعتی خود ساختہ عقیدہ رکھنے والے یا ایسے عقیدے پر عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے، کسی عقیدہ کو نہ ماننے یا اس پر عمل نہ کرنے والے کو نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ اس اعتبار سے علامہ موصوف کا یہ قول بالکل مہمل اور اس سے استفادہ کرنا اور لطف اندوز ہونا اس سے بھی زیادہ مہمل قرار پاتا ہے۔

۵۔ والاجناب کا یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے کہ "اس مسئلہ کے صحیح ہونے پر تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے"۔ امام ابوحنیفہؒ کا ہرگز یہ مسلک نہیں۔ یہ مسلک تو اہل حدیث اور حنابلہ کا ہے۔ نہ احناف کا یہ مسلک ہے اور نہ مالکیہ اور شوافع کا۔ عرب ممالک میں تو ایصال ثواب نامی کوئی شے پائی ہی نہیں جاتی اور نہ سابقہ زمانوں میں پائی جاتی تھیں۔ کیا یہ تمام باتیں اس بات کا ثبوت مہیا نہیں کرتیں کہ اس مسئلہ پر تمام اہل سنت والجماعت کا کبھی بھی اتفاق نہیں رہا۔

۶۔ اپنے الجواب کے آخر میں والاجناب نے خود تسلیم فرمایا ہے کہ کتاب میں

ایصال ثواب کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس طرح سے کرو الاجناب نے خود تحریر فرمایا ہے کہ «» لیکن اس میں بدعات و خرافات مثلاً ختم دلوانا، فاتحہ پڑھوانا۔ سوئم، قل کرنا اور چالیسواں وغیرہ، قرآن پڑھوا کر عوض دینا یا اور غلط رسم و رواج کا اضافہ کرنے سے یہ فعل مکروہ تحریمی بن جائے گا اور اس کے کرنے پر ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا» کتاب ایصال ثواب میں بھی انہیں مذکرہ امور کی انجام دہی کو بدعت و خرافات کہا گیا ہے، تو ایسی صورت میں اب اختلاف کس بات کا باقی رہ گیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائی جاوے تو انسب ہوگا۔

لہذا والاجناب سے مؤدبانہ التجا کی جاتی ہے کہ مندرجہ بالا اعتراضات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآنی آیات کے ذریعہ عقیدہ زیر بحث کو صحیح و کارآمد ثابت فرمایا جاوے تو احسن ہوگا۔ تاکہ احقر مخالفین کے روبرو سرخرو ہوسکے اس کاوش پر اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمادے گا۔

فقط

سائل۔ سید محمد......

۱۰۵۱۔ پی آئی بی کالونی کراچی

۲

کراچی کے ایک معروف پیر صاحب (قادری) نے جو متعدد کتابوں کے مصنف ہونے کے بھی دعویدار ہیں حال ہی میں ایک کتاب «ایصال ثواب» کے نام سے علمی جائزہ کے طور پر تحریر فرمائی ہے۔ یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کے عقیدے پر قائم رہنے اور اس پر عمل پیرا

رہنے اور اس کو مشتہر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے وغیرہ۔ اس میں قرآن حکیم کی صرف دو آیات کو ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن بدقسمتی سے وہ ایصال ثواب سے متعلق نہیں ہیں بلکہ وہ دعا وغیرہ سے متعلق ہیں اور دعا و ایصال ثواب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، دعا کے ذریعہ کسی کے حق میں معافی کی درخواست کی جاتی ہے خود ثواب حاصل کر کے کسی کے نام ارسال نہیں کیا جاتا۔ جبکہ ایصال ثواب میں خود ساختہ طریقوں سے کسی کے نام ثواب ارسال کر کے ثواب کی تعداد بڑھائی جاتی ہے اور اس کی بناء پر مرنے کو جنت کا حقدار بنانے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے محض اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کو جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے ناکافی تصور کیا جاتا ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک علمی جائزہ پیش کرنے والا ایسی لاعلمی کا شکار کیونکر ہو گیا؟ کہ دعا و ایصال ثواب کے فرق کو بھی محسوس کرنے سے قاصر رہا۔ ہماری نظر میں کیا کسی کی نظر میں بھی یہ علمی جائزہ نہ کہلائے گا۔ بلکہ اس کو لاعلمی ہی کا نام دیا جاسکے گا۔ اگر اس کو علم کہا جائے تو پھر ہم لاعلمی کس کو کہیں گے؟

ہم مذکورہ کتاب کے مصنف محترم پیر صاحب سے گذارش کریں گے اور مشورہ دیں گے کہ اگر موصوف نے ہماری کتاب "عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" مطالعہ نہیں فرمائی تو اس کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ فرمائیں اور پیش کردہ قرآنی آیات کے مطالب پر غور فرمائیں تو ہمیں امید ہے کہ مسئلہ ان کی سمجھ میں آجائے گا ہمیں یقین ہے کہ ہم نے جن قرآنی حوالوں کو پیش کیا ہے اور ان کے جو مطالب بیان کئے ہیں ان کی صحت سے وہ انکار نہ کر سکیں گے اور ان کے مقابلے میں قرآن کی ایک آیت بھی پیش نہ فرما سکیں گے جس سے ثواب کی دوسروں کو منتقلی ثابت کی جاسکے۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہوگا کہ ہمارے محترم پیر صاحب نے

اپنی غلط تحریر کے ذریعہ جس طرح مسلمانوں کی الٹی رہنمائی فرمائی ہے اور غلط عمل کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح تحریراً مسلمانوں خصوصاً اپنے پیروکاروں کو اس بدعت کے ترک کرنے کا مشورہ عنایت فرمائیں تو یہ ان کے اور ان کے ماننے والوں کے حق میں باعث منفعت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میسر ہوگی اور مال و دولت اور وقت کی بچت بھی ہوگی جو کسی دوسرے نیک مصرف میں لایا جا سکے گا۔

ہمیں مذکورہ بالا باتیں مجبوراً اس لئے لکھنی پڑی ہیں کہ ہم مسلمانوں کی اکثر بیت مفتیان دین، مجتہدین، علماء و پیر حضرات کی بری طرح اسیر بن کر رہ گئی ہے۔ اور ان کے اقوال کو بلا چون وچرا حرف آخر ماننے لگی ہے جو کہ ان حضرات کو اللہ ماننے کے مترادف ہے۔ اور دینی اعتبار سے مماثلِ شرک ہے۔ لہٰذا سب کچھ گوش گذار کر کے ہم احساس دلانا چاہتے ہیں کہ مسلمان اس بات کو نوٹس میں لائیں کہ ان کے دینی ومذہبی رہنما ان کو کس طرح غلط راستوں پر ہانکتے ہوئے لے جا رہے ہیں، ان کا ہر قول پتھر کی لکیر نہیں ہوتا کہ ان کی اندھی تقلید ضروری خیال کی جائے۔ اس وقت جس صورت حال سے ہم آگاہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ؎ غلط امید کہ رستے میں تھکا مارے گا
خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے

وما علینا الا البلاغ

ایک ضروری وضاحت

اس کتاب میں جہاں جہاں لفظ خدا آیا ہے وہاں اللہ پڑھا جائے لفظ خدا "اللہ" کی پوری نمائندگی نہیں کرتا کیونکہ یہ غیر اللہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے خداوند نعمت بادشاہوں کے لئے، خدائے سخن ادیب اور شعراء کے لئے، خدائے صفائی، سڑکوں کی صفائی سے متعلق عملہ کے لئے وغیرہ وغیرہ۔ خدا کی جمع بھی آتی ہے جب کہ اللہ کی کوئی جمع نہیں۔ خدا فارسی زبان کا لفظ ہے جو ہر بڑے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بعض مذاہب میں دو خداؤں کا تصور ہے۔ نیکی کے خدا کو خدائے یزداں اور بدی کے خدا کو خدائے اہرمن کہا جاتا ہے۔ جب کہ اللہ ایک ذات کے لئے مخصوص ہے۔ نہ اس کی جمع ہوتی ہے اور نہ یہ غیر اللہ کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ لفظ اللہ سے اس کی وحدانیت کا صحیح تصوّر پیدا ہوتا ہے، جو عظمت و بزرگی اور کبریائی لفظ اللہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ خدا سے نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے لئے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اللہ کے لئے لفظ خدا کا استعمال اس کی صریح توہین ہے، اس سے اللہ کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا اور شرک لازم آتا ہے۔ اللہ ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے اور توفیق دے کہ ہم آئندہ خدا کی بجائے اللہ کا استعمال اپنے اوپر لازم کر لیں۔ آمین

ادارہ

ضمیمہ

ایصالِ ثواب

محدث العصر علامہ تمنّا عمادی مجیبی پھلواری شریف
مصنف، جمع القرآن ۔ اعجاز القرآن ۔ قصیدۃ الصداقۃ العظمیٰ ۔ القصیدۃ الزہراء ۔ سبیل المؤمنین ۔ فنِ اسماء الرجال ۔ و مورخ طبری کی حقیقت، وغیرہ

"ایصال" کے معنی فرستادن، پہنچانا۔ "ثواب" کے معنی مزدِ عمل ۔ مزدوری۔ یعنی ایک مسلمان کوئی عملِ نیک خود کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ میں نے جو یہ عملِ نیک کیا ہے اس کا اجر اس کی مزدوری جو مجھ کو ملتی وہ فلاں مسلم کو ملے۔ میں نے اس کو بخش دیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کوئی عملِ نیک کرے۔ اس نیت سے اور اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر کہ میں یہ کام فلاں مسلمان کی طرف سے کر رہا ہوں، اس لیے اس کا ثواب یعنی اس کا اجر اس کی مزدوری اُسی کو ملے۔

قرآن مبین میں ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریقے کی کوئی تعلیم نہیں فرمائی گئی۔ عہدِ نبوی میں کوئی معمول بہا طریقہ ایسا نہ تھا کہ جب کوئی مرے تو اُس کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اسی طرح عہدِ خلفائے راشدین میں بھی ایصالِ ثواب کا کوئی معمول نہ تھا۔

حج بدل وغیرہ کی روایتیں یا مُردہ کی طرف سے قربانی اور سعد بن عبادہ والا واقعہ، یہ ساری روایتیں بہت زیادہ مشتبہ ہیں اور ناقابلِ اعتماد، محدثانہ طریقے سے اگر ان کی تنقید کی جائے تو تھوڑی سی کوشش میں ان کی حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ چونکہ یہ مختصر سا مضمون اس کا متحمل نہیں، اس لیے سرِدست ان سے قطع نظر کرتا ہوں۔

کیا قرآن مبین اس کے متعلق خموش ہے؟ ایک سوال یہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مبین میں اگر ایصالِ ثواب کے مذکورہ بالا دونوں طریقے مذکور نہیں ہیں۔ تو اس سے تو اسی قدر معلوم ہوا کہ قرآن مبین ایصالِ ثواب کے متعلق خموش ہے تو پھر وان لم تجد فبسنۃ رسولہ کے مطابق ہم اس کو حدیثوں میں کیوں نہ ڈھونڈھیں؟ بعض روایتیں جرح و تعدیل اور عام عقل و درایت کی کسوٹی پر کسنے سے کمزور معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر ممکن ہے کہ وہ صحیح ہوں۔ ایک ہزار سال سے جس چیز پر اُمت کا تعامل چلا آ رہا ہے وہ کیوں خواہ مخواہ بے اصل مان لی جائے۔

اس سوال کے متعلق مجھے سب سے پہلے تو یہی کہہ دینا تھا کہ جس چیز کے متعلق قرآن خموش ہے اور اس کا تعلق عقاید یا عبادات سے کہا جاتا ہے تو پھر وہ دین میں "کان لم یکن شیئا مذکورا" کا حکم رکھتی ہے اور بالکل بے اصل چیز ہے۔ عقاید عبادات سے متعلق دینِ اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں پیش کی جا سکتی جس سے قرآن خموش ہو اور وہ صرف روایات سے ثابت ہو۔ مگر چونکہ اس جواب سے ممکن ہے کہ ایک نیا موضوعِ بحث چھڑ جائے اور ایصالِ ثواب کا مسئلہ بالائے طاق رہ جائے اور یہاں تو یہ واقعہ بھی نہیں ہے کہ قرآن مبین مسئلہ ایصال

- مگر وہ کوئی قابلِ ذکر بات نہیں

ثواب کے متعلق بالکل خموش ہے۔ اس لیے صاف یہی کیوں نہ کہہ دیں کہ قرآن مبین اس کے متعلق ہرگز خموش نہیں۔ دیکھیے سورۂ والنجم میں صاف فرمایا گیا کہ وان لیس للانسان الا ما سعی اور سورہ حم السجدہ میں ارشاد ہے من عمل صالحا فلنفسہ اور سورہ والطور میں ہے کل امرئ بما کسب رھین۔ ان تین آیتوں سے تین باتیں بعبارۃ النص نکل رہی ہیں۔

۱۔ انسان کا حق اپنی ہی سعی و عمل پر ہے، دوسرے کی سعی و عمل پر نہیں۔

۲۔ جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ اس کا نفع اسی کرنے والے کو حاصل ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کو نہیں۔

۳۔ ہر شخص اپنے کسب و عمل میں رہن ہے۔ اس معاملہ رہن کو توڑنے یا ٹوٹ جانے کا جو طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے۔ اس کے سوا کسی اور طریقے سے کوئی شخص بھی بطور خود اس معاملہ رہن کو توڑ نہیں سکتا۔ مثلاً عمل نیک کے تباہ ہو جانے کے جو اصول قرآن میں مذکور ہیں، ان کے سوا کسی اور طریقے سے عمل نیک کا رہن نہیں ٹوٹ سکتا۔ اسی طرح عمل بد کے معفو ہو جانے کے جو جو طریقے قرآن میں مذکور ہیں، ان کے سوا کسی اور طریقے سے عمل بد کا رہن نہیں ٹوٹ سکتا۔ غرض جس نے رہن کیا ہے۔ وہی اس رہن کو توڑ سکتا ہے۔ بطور خود یا کسی خود ساختہ قاعدے سے کوئی بھی اس کے باندھے ہوئے عقد رہن کو توڑ نہیں سکتا۔

ایصال ثواب کے جواز کا عقیدہ ان تینوں آیات قرآنیہ کے بالکل خلاف ہے اور یہ تینوں آیات کریمہ بالصراحت ایصال ثواب کے جائز ہونے کے عقیدہ کو باطل کر رہی ہیں۔ اس کو اس طرح مطابق کر کے دیکھا جائے تو اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔

قرآن مبین	ایصال ثواب کا قائل
۱۔ انسان کا حق اپنی ہی سعی و عمل پر ہے۔	۱۔ انسان کا حق دوسرے کی سعی و عمل پر بھی ہے۔
۲۔ جو شخص بھی کوئی عمل نیک کرتا ہے اس کا نفع اسی کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے، دوسرے کو نہیں۔	۲۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک عمل نیک کرے اور اس کا اجر و ثواب کسی دوسرے کو بخش دے۔
۳۔ ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بیان کردہ قرآنی اصول کے مطابق اس رہن کو توڑ سکتا ہے۔ کوئی شخص بطور خود کسی ایسے طریقے سے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، اس رہن کو نہیں توڑ سکتا	۳۔ اللہ تعالیٰ کے باندھے ہوئے عقد رہن کو ایسے طریقے سے جس کو قرآن مبین میں نہیں بتایا گیا ہے ہم بطور خود اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے توڑ سکتے ہیں یا تڑوا سکتے ہیں۔

اس لیے یہ کہنا کہ قرآن مبین ایصال ثواب کے متعلق خموش ہے، بالکل غلط ہے۔ اگر ایصال ثواب کا طریقہ جائز اور صحیح ہوتا تو یقیناً قرآن مبین میں اس کا ذکر ہوتا اور جس طرح عام متوفی مسلمانوں کے لیے دعائے رحمت و مغفرت

کی تعلیم فرمائی گئی۔ اسی طرح ایصال ثواب کی بھی ضرور تعلیم ہوتی۔ عام مسلمان نہیں تو کم سے کم اہل قرابت اور والدین کے لیے تو ایصال ثواب کا حکم ہوتا۔

دعائے رحمت و مغفرت اور ایصال ثواب | ایصال ثواب کے قائل، ایصال ثواب کو ثابت کرتے ہوئے دعائے رحمت و مغفرت کی تعلیم کے سلسلہ میں جو آیتیں آئی ہیں عموماً ان کو پیش کر دیا کرتے ہیں حالانکہ دعائے رحمت و مغفرت اور ایصال ثواب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دعائے رحمت و مغفرت ایک سفارش ہے بارگاہ الٰہی میں، چاہے وہ سنے یا نہ سنے۔ اور ایصال ثواب خود جو عمل نیک وہ کرتا ہے، اس کی مزدوری جو اس کو ملتی، وہ اپنی مزدوری دوسرے کو دلواتا ہے اس لیے اس میں ایک حق، اور دباؤ کی صورت پیدا ہے۔ مثلاً ایک نوکر آپ کا آپ ہی سے کہے کہ آپ فلاں محتاج کو ایک روپیہ دے دیجئے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ وہ اپنے مشاہرے اور تنخواہ میں سے ایک روپیہ آپ سے اُس محتاج کو دلوا دے۔ کیا یہ دونوں صورتیں ایک کہی جا سکتی ہیں؟ پہلی صورت میں آپ کو اختیار ہے، چاہے دیجئے یا نہ دیجئے اور دوسری صورت میں آپ دے دینے پر مجبور ہیں مگر آپ نہ دیں تو یہ آپ کی زیادتی ہوگی۔

عبادت اور ثواب | ایک بہت بڑا دھوکا ایک مدت دراز سے کھایا جا رہا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ ہر عبادت پر جنت کی ایک نعمت ملتی ہے۔ مثلاً ایک رکوع قرآن مجید پڑھا اور جنت میں ایک دیگ پلاؤ تیار کر کے رکھ دیا گیا۔ مرنے کے بعد خود نہیں کھایا۔ زندگی ہی میں دوسرے کو دلوا دیا۔ دو رکعتیں پڑھیں اور جنت میں ایک قاب بادام کا حلوا تیار ہو گیا، وہ کسی دوسرے کو دلوا دیا گیا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ہر مسلم اپنی مدت عمر میں اپنے عقاید صحیحہ کی نگہداشت کے ساتھ اعمال حسنہ اگر کرتا رہا اور دنیا سے باایمان اُٹھا تو یا تو وہ مقربین میں ہے۔ یعنی السّٰبقون الاوّلون من المھٰجرین والانصار والذین[1] اتبعوھم باحسان میں ہے اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ والی جماعت میں شامل ہے یا اصحاب الیمین میں ہے یعنی واٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا واٰخر سیئا[2] تو اس کے لیے بھی یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم۔ اہل جنت اور نیک کاروں کی یہی تقسیم ہے اور بس۔ مگر اس کا پتہ کہ وہ کس درجہ کا جنتی ہے۔ اس کے موت تک کے عقاید و اعمال کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور اس کا دفتر بھی مرنے کے بعد ہی مرتب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ الاعتبار بالخواتیم[3]۔ اور اس کے لیے عبادات کی مقدار و

---

[1] وہ مہاجرین و انصار جنہوں نے سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی۔

[2] دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور ملے جلے نیک و بد عمل کیے۔ قریب ہے کہ خدائے غفور و رحیم ان کی طرف متوجہ ہو۔

[3] اعتبار کا تعلق خاتمے سے ہے۔

کیفیت سے زیادہ ان کی صحت و کیفیت کا اعتبار مرعی ہوتا ہے۔

عبادات کی غرض تزکیہ نفس ہے ورنہ کچھ وقت یا کچھ پیسے صرف کر دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ کتنے لوگوں کی نمازیں اور روزے قیامت میں ان کے منہ پر پھینک دیئے جائیں گے۔ یعنی قابل قبول نہ ٹھیریں گے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا اثر تزکیہ عابد کے نفس پر دنیا میں مترتب نہیں ہوا۔ نمازیں تو پڑھتا رہا اور ساری عمر پڑھتا رہا۔ مگر فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ[1] کی طرح، روزے تو بہت رکھے مگر لعلکم تتقون[2] کا مصداق نہ بنا۔ حج تو بہت کیے مگر حج کی بھٹی میں جب پڑا تو اس کے ایمان کا وہ سونے کا سارا رنگ اڑ گیا اور وہ سونا وہاں کا وہیں رہ گیا۔ زکاتیں تو عمر بھر دیتا رہا مگر ان کو مَنّ و اَذیٰ[3] کے ذریعے ہمیشہ ضائع کرتا رہا۔ اس لیے درحقیقت پاکی نفس کے بغیر کسی عبادت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ قرآن میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ قد افلح من تزکی اس لیے آخرت کی کامیابی نفس کی پاکیزگی ہی پر موقوف ہے، عبادات کے ظاہری ڈھانچوں پر نہیں۔ اسی لیے ایک شخص جو سو برس کی عمر میں مرا اور اسی سال تک عبادتیں کرتا رہا اور دوسرا جو پچیس سال کی عمر میں مر گیا اور اس نے پانچ ہی برس تک عبادتیں کیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی پانچ سال کی عبادت اس کی اسی سال عبادت سے کہیں زیادہ اجر اس جواں مرگ کو دلا دے۔ اس لیے کہ تزکیہ نفس کثرت عبادت پر موقوف نہیں ہے بلکہ صحت عبادت پر موقوف ہے اور صحت عبادت نفس کے پاک ہونے کے بغیر اللہ کے حضور معتبر نہیں۔ نماز کی خاصیت بتا دی گئی کہ تنھی عن الفحشاء والمنکر (بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) روزے فرض کیے گئے لعلکم تتقون (تاکہ تم متقی بنو) تو اگر دنیا میں ہماری نمازیں ہمیں فحش و منکر سے مانع نہ ہو سکیں۔ ہمارے روزے ہم میں تقویٰ نہ پیدا کر سکے تو یہ ہماری نمازیں اور ہمارے روزے فرق لئے ناپ آدلی ہیں۔ دنیا میں یہ عبادتیں بہت بڑا عابد و زاہد جو کچھ بھی مشہور کر دیں، مگر مرنے کے بعد کچھ بھی کام نہ آ سکیں گی اور میزان قیامت میں ان کا مطلقاً کچھ وزن نہ ہوگا۔

اسی طرح تلاوت قرآن مبین ہے کہ ہمیں تدبر فی القرآن کے ساتھ تلاوت کا حکم ہے۔ ورنہ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (دلوں پر تالے ہیں) کا مصداق بننا پڑے گا۔ ہمیں ترغیبی و ترہیبی آیات سے نفس کی پاکیزگی کا اثر حاصل کرنا ہوگا۔ اوامر و نواہی کے مواقع میں بزبان ایمان وایقان سمعنا و اطعنا (سن کر اطاعت کی) کہتے رہنا ہوگا۔ وعظ و عبرت کی آیتوں کے وقت نصیحت و عبرت کے سبق لینا ہوں گے اور واذا تلیت علیھم ایٰتہ زادتھم ایمانا[4] اور تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکراللّٰہ کا مورد بن کر

---

[1] تو نے نماز نہیں پڑھی [2] تاکہ تم متقی بنو [3] احسان جتانا اور تکلیف دینا

[4] جب ان پر آیات الٰہی تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھتا ہے جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی جلدیں نرم ہو کر دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

یا بننے کے عزم کے ساتھ تلاوت کرنا ہوگی، اسی طرح اور عبادتوں کو بھی سمجھ لیجیے۔

تو ہماری نماز ہماری فحش و منکر سے روک سکتی ہے، ہمارے روزے ہم ہی میں تقوٰی پیدا کر سکتے ہیں اور ہماری تلاوت قرآن مجید ہمارے ہی دل کو اللہ کی یاد کی طرف لگا کر ہمارے ہی ایمان میں زیادتی پیدا کر سکتی ہے غرض ہماری ہر عبادت خود ہمیں میں اثر تزکیہ نفس ڈال سکتی ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ فحش و منکر سے جو رکاوٹ ہم میں پیدا ہوتی ہے، یا تقوٰی جو ہم میں آگیا ہے، خشیت الٰہی و زیادت ایمان جو ہم کو حاصل ہوتی ہے اور تزکیہ کا جو اثر ہمارے نفس پر پڑا ہے، ان چیزوں کو کسی دوسرے زندہ یا مردہ کی طرف کسی طرح منتقل کر دیں تو یہ "ایں خیال است و محال ست و جنوں"

دعائے محال | بعض بھولے بھالے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مانا کہ عبادت تزکیہ نفس کی تاثیر کے بغیر مفید نہیں اور بے شک تزکیہ نفس کی تاثیر ایسی چیز ہے کہ بظاہر ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر اس لیے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ ادعونی استجب لکم دعا کریں کہ بارالٰہی فلاں عبادت جو میں نے کی اور اس سے جو تزکیہ نفس کا اثر مجھ پر مترتب ہوا ہے وہ فلاں شخص کی طرف تو محض اپنی قدرت کاملہ سے منتقل کر دے۔ یا یہ عبادت میں فلاں کی طرف سے کر رہا ہوں۔ اس لیے اس کا اثر تزکیۂ نفس فلاں فلاں شخص پر مرتب ہو تو آخر یہ دعا کیوں قبول نہ ہوگی؟ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے؟

تو میں ان سیدھے سادے حضرات سے یہ عرض کرتا ہوں کہ بھوکوں کو کھانا نہ کھلایا کیجیے بلکہ خود پیٹ بھر کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ یا اللہ! یہ شکم سیری جو مجھ کو حاصل ہوتی ہے، فلاں بھوکے تک اپنی قدرت کاملہ سے منتقل فرما دے۔ اور جاڑوں میں کبھی غرباء و مساکین میں کمبل تقسیم نہ فرمایئے بلکہ خود عمدہ لحاف کمبل اوڑھ کر دعا فرمایئے کہ بارالٰہی! یہ جو گرمی مجھ کو محسوس ہو رہی ہے جتنے لوگ جاڑے سے کپکپا رہے ہیں، ان تک منتقل فرما دے۔ کیونکہ ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ادعونی استجب لکم اور وعدہ ہے کہ اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان

آپ یہ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ فلاں بھوکے کی شکم سیری کا کوئی سامان کر دے۔ یہ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ فلاں غریب مسکین جو جاڑے سے کانپ رہا ہے۔ اس کے لیے کوئی سامان کمبل وغیرہ کا کر دے۔ یعنی کسی کو توفیق دے دے کہ اُس کو کھلا دے اُس کو کمبل خرید کر دے دے۔ مگر وہ دعائیں نہیں کر سکتے جن کا ذکر میں نے پہلے کیا۔ اسی طرح ایک لڑکا یونیورسٹی کا امتحان دینے کے لیے گیا ہے۔ تو آپ یہ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں لڑکا امتحان پاس کر جائے مگر یہ دعا نہیں کر سکتے کہ فلاں فلاں مسائل جو مجھ کو یاد ہیں میرے ذہن سے اُس لڑکے کے ذہن تک منتقل فرما دے۔ غرض امر محال کی دعا قطعاً ممنوع ہے۔ آپ ایک بیمار کی شفا کے لیے دعا کر سکتے ہیں۔ مگر خود جواہر مہرہ کھا کر یہ دعا نہیں کر سکتے کہ یہ جواہر مہرہ جو میں نے کھایا ہے اور اُس سے جو تقویت دل و دماغ مجھ کو حاصل ہوئی

وہ اُس بیمار تک منتقل ہو جائے۔ بالکل اسی طرح آپ کسی زندہ یا مردہ کے لیے دعائے رحمت و مغفرت و ترقی درجات وغیرہ کر سکتے ہیں مگر خود کوئی عمل نیک کر کے اس سے جو اثر تزکیہ آپ کے نفس پر مترتب ہو سکتا ہے، اس کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنے کی دعا نہیں کر سکتے۔ خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَن عمل صالحاً فلنفسہ۔[1] لیس للانسان الا ما سعیٰ۔[2] کل امرئ بما کسب رھین۔[3] کیا ان آیتوں کے بعد بھی اور ان روایات عقلیہ قرآنیہ کے باوجود بھی ایصالِ ثواب کو جائز و صحیح سمجھنا یریدون ان یبدلوا کلام اللہ[4] کا مصداق نہ ہوگا؟

کچھ روایات کے متعلق | میں نے روایات سے اس وقت بحث کرنے کا قطعی ارادہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے احتیاط کی راہ اور بشرطِ ضرورت، اس کو آئندہ کے لیے اُٹھا رکھا ہے مگر اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ جو روایتیں نصِ قرآنی کے صراحۃً مخالف ہوں، کم سے کم ان کو تو موضوع سمجھنا چاہیے۔ اور ایسا تو نہ کیا جائے کہ ان روایتوں کے لیے آیاتِ قرآنیہ کو ان کے مرکزِ عبارۃ النص سے تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعہ ہٹا دینے کی جرأت اختیار کر لی جائے[5]۔

یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ روایتیں موضوع ہو سکتی ہیں۔ ائمہ مجتہدین سے غلطیاں ہو سکتی ہیں اور ایک ہزار سال کا تعامل بھی برغلط ہو سکتا ہے۔ مگر قرآن مبین کی ایک آیت بھی اپنے ما ثبت بعبارۃ النص یا اقتضاء النص کے خلاف مفہوم نہیں پیدا کر سکتی۔ اسی طرح کسی آیت کا وہ مفہوم جو اس کی دلالۃ النص یا اشارۃ النص سے نکالا جائے، اُس کے یا کسی دوسری آیت کے اس مفہوم کے خلاف نہیں ہو سکتا جو کسی آیت کی بھی عبارۃ النص یا اقتضاء النص سے نکل رہا ہو۔

قرآن کے مفہوم کو باقی رکھنے کے لیے حدیثوں کی تاویل کی جا سکتی ہے اور کرنی چاہیے مگر حدیثوں کے مفہوم کو باقی رکھنے کے لیے آیاتِ قرآنیہ کی تاویل حد درجہ خطرناک ہے۔ کیوں کہ حدیثیں غلط اور موضوع ہو سکتی ہیں۔ قرآن کی کوئی آیت ضعیف بھی نہیں ہو سکتی۔

ایک آخری التجا | میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، محض احقاقِ حق کے لیے لکھا ہے، اس کے سوا میری کوئی غرض نہیں وکفیٰ باللہ شہیداً۔ اسلاف کی عزت و احترام میرے دل میں بھی اُسی قدر ہے جس قدر ایک مسلم کے دل میں ہونی چاہیے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون[6]۔ مجھ سے قیامت کے دن کبھی نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں اماموں اور راویوں کا تم نے کیوں اتباع نہ کیا؟ مجھ سے یہی پوچھا جائے گا کہ تم نے قرآن و رسول کا اتباع کیوں نہ کیا؟ البتہ رسول اس وقت میرے سامنے نہیں ہیں کہ ان سے حدیثوں کی تصحیح کر سکوں مگر قرآن ہے۔ ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

---

[1] جو نیک عمل کرتا ہے، اپنے لیے کرتا ہے۔ [2] انسان کو اپنی ہی کوشش کا پھل ملے گا [3] ہر شخص اپنے کسب و عمل میں گروی ہے [4] اللہ کے کلام کو بدل دینا چاہتے ہیں [5] جو اس سے صراحتاً ثابت ہے [6] یہ ایک گروہ گزر گئی ان کے عمل ان کے لیے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لیے ہیں تم سے ان کے اعمال سے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

(علامہ مرحوم کی سوانح کے لیے مولانا عبداللہ عباس ندوی ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ کا مضمون ماہنامہ فاران کراچی مارچ ۱۹۷۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔)

اشاریہ

وہ آیات قرآنی جن کے حوالے اس کتاب میں دیئے گئے ہیں

السورة	نمبر شمار	آیت	صفحہ	السورة	نمبر شمار	آیت	صفحہ
البقرة	۲	۹ ۱۰	۴۵	النساء	۴	۳۲	۳۷
		۴۸	۴۱			۴۰	۳۶
		۱۱۰	۱۰۰				۳۸
		۱۳۹	۲۷			۱۱۱	۹
		۱۴۱	۲۵			۱۱۴	۳۹
		۱۴۸	۱۱۸			۱۵۰	۴۳
		۲۰۰	۲۸			۱۵۱	۴۲
		۲۰۱	۲۸				۴۳
		۲۰۲	۲۸			۱۷۵	۴۲
			۲۹	المائدہ	۵	۸	۷۰
		۲۸۴	۷۲			۳۶	۴۰
		۲۸۶	۲۷			۷۲	۴۰
آل عمران	۳	۲۵	۳۰			۱۰۴	۴۲
		۳۰	۳۵			۱۱۹	۴۱
		۸۹	۱۰۰	الانعام	۶	۲۷	۸۲
		۱۳۶	۹۹			۵۲	۴۱
		۱۶۱	۳۵			۶۰	۸۳
		۱۶۲	۷۱			۷۰	۴۴
		۱۸۲	۷۷				۸۴
النساء	۴	۱۷ ۱۸	۱۰۱			۱۰۶	۶۸
		۳۱	۱۰۲			۱۲۰	۴۵

السورة	نمبرشمار	آیت	صفحہ
الانعام	٦	۱۲۷	۹۹
		۱۲۹	۴٦
		۱۳۲	۷۰، ۹۸
		۱۵۹	٦٦
		۱٦۴	۹
الاعراف	۷	۳	٦۸
		۱۴۷	۵۷
التوبہ	۹	۸۲	٦۱
		۱۱۴	۱۰۷
		۱۲۱	۵۸، ۹۸
یونس	۱۰	۸	٦۱
		۱۴	۷۰
		۲۳	٦۵
		۳٦	۷۰
		۴۱	۵۲، ٦۳
ہود	۱۱	۱۱۱	۹۸
		۱۲۳	۷۰
ابراہیم	۱۴	۴۱	۱۰٦
		۴۲	۷۱
الحجر	۱۵	۹۲ ۹۳	٦۵
النحل	۱٦	۲۵	۱۴۲
		۳۸	۷۰، ۸۲

السورة	نمبرشمار	آیت	صفحہ
النحل	۱٦	۳۰ ۳۲	۹۷
		۹۳	٦۵
		۹٦ - ۹۷	۹٦
		۹۷	۵۹
		۱۱۱	۴٦
الاسراء	۱۷	۱۹	۷٦، ۹۵
		۲۴	۱۳۲
الکہف	۱۸	۴۹	۴۹
		۱۱۰	۵۴
طٰہٰ	۲۰	۱۵	۷٦
الانبیاء	۲۱	۹۴	۷۷
الحج	۲۲	۱۰	۷۷
المومنون	۲۳	٦۲	۵۲، ۷۲
		۹۹ - ۱۰۰	۸۱
		۱۰۰	۵۳، ۸۱
النور	۲۴	۲۴	۷۴
		۳۸	۵۹، ۹۵
		٦۴	٦٦
الفرقان	۲۵	۴۳	۱۰۴، ۱۲۳
		۷۰ ۷۱	۱۰۲
النمل	۲۷	۹۰	۵۷

السورۃ	نمبر شمار	آیت	صفحہ	السورۃ	نمبر شمار	آیت	صفحہ
الواقعہ	۵۶	۲۴	۸۷	نوح	۷۱	۲۸	۱۰۶
الحدید	۵۷	۴	۶۹	المزمل	۷۳	۲۰	۷۸
المجادلہ	۵۸	۶	۶۶	المدثر	۷۴	۳۸	۸۹
		۷	۶۷	المرسلات	۷۷	۴۱ - ۴۴	۸۵
الحشر	۵۹	۱۰	۱۷			۴۳ - ۴۴	۵۵
		۱۸	۸۶	النباء	۷۸	۳۱ - ۳۶	۹۰
التغابن	۶۴	۲	۷۱			۴۰	۷۸
		۴	۷۲	النازعات	۷۹	۳۷ - ۳۹	۱۳۳
		۸	۷۱			۴۰ - ۴۱	۴۳
التحریم	۶۶	۷	۵۴	عبس	۸۰	۳۴ - ۳۷	۲۶
الملک	۶۷	۲	۶۰	الانفطار	۸۲	۱۱ - ۱۲	۷۳
الحاقہ	۶۹	۲۴	۷۸	الفجر	۸۹	۲۳ - ۲۴	۸۱
		۲۵ - ۲۸	۵۲	اللیل	۹۲	۲۰ - ۲۱	۲۹
				البینہ	۹۸	۵	۲۹